منبر کی صدا

(جلد دوم)

حافظ محمد ابراہیم عمری

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی
جامعہ دارالسلام عمرآباد

نام کتاب	:	منبر کی صدا
مؤلف	:	حافظ محمد ابراہیم عمری
سنِ اشاعت	:	مئی 2013ء
صفحات	:	176
قیمت	:	65/روپے
ناشر	:	ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی جامعہ دارالسلام عمرآباد-635808 ٹمل ناڈو

E-mail : jamiadarussalam@gmail.com

مقدمہ

زیرِنظر کتاب میرے شاگردِ رشید عزیزم مولانا حافظ محمد ابراہیم عمری ہنچالی سلمہ اللہ کے خطباتِ جمعہ کا دوسرا مجموعہ ہے۔عزیز موصوف جامعہ دارالسلام عمرآباد کے قابل فرزنداور لائق اساتذہ میں سے ہیں۔حرکت وعمل ان کی پہچان ہے۔جس میدان میں بھی قدم رکھتے ہیں وہاں اپنی صلاحیتوں کے گہرے نقش چھوڑتے ہیں۔آج سے چار سال پہلے 2009ء میں مسجد عمرآباد میں خطیب کے منصب پر فائز کیے گئے۔بحمداللہ آج تک اپنی اس ذمے داری کو انتہائی خوش دلی،خوش اسلوبی اور تیاری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔

عزیز موصوف کے خطبے عام فہم اور مفید ومؤثر ہوتے ہیں۔ان میں علم کی گہرائی بھی ہوتی ہے اورعصری آگہی بھی۔عام طور پر حالات اور وقت کے لحاظ سے موضوع کا انتخاب کرتے ہیں۔ان کا پوراخطبہ پابندیِ وقت کے ساتھ قرآنی آیات، صحیح احادیث اورسلف صالحین کے اقوال سے مزین اور مربوط ہوتا ہے۔اس دوران کہیں بھی وہ اپنے موضوع سے نہیں ہٹتے۔اور نہ عام واعظین کی طرح ان کے خطبے میں من گھڑت حکایات اور موضوع روایات ہوتی ہیں۔

اب تک عزیز موصوف کے خطبات سے مقامی لوگ فائدہ اٹھارہے تھے،لیکن ذمہ دارانِ جامعہ کی توجہ سے اب وہ کتابی شکل میں منظر عام پر آرہے ہیں،الحمدللہ۔مجھے یقین ہے کہ ان خطبات کی افادیت دور تک اور دیر تک محسوس کی جائے گی۔ان شاءاللہ

اس کتاب کی اشاعت پر میں اپنی نیک تمنائیں پیش کرتے ہوے مولانا محمد ابراہیم عمری کو مبارک باد دیتا ہوں،اوران کی علمی ترقی اور روشن مستقبل کے لیے دعاے خیر کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ ان کی اس مخلصانہ خدمت کو قبول فرمائے اوراس کام میں مزید خیر وبرکت عطا فرمائے۔آمین

ظہیرالدین اثری رحمانی

عرضِ مؤلف

یہ کوئی با قاعدہ تصنیف اور مستقل کتاب نہیں ہے، بلکہ میرے چند خطباتِ جمعہ کا اختصار ہے۔ اس مجموعہ میں دینی اور اصلاحی موضوعات پر مشتمل کل بیس خطبات شامل ہیں۔ میں نے بساط بھر کوشش کی ہے کہ ان میں سے ہر خطبہ مختصر، عام فہم اور لوگوں کی عملی زندگی سے متعلق ہو۔ میری کم علمی اور قلم کی ناپختگی کی وجہ سے اس میں کمی اور خامی کا پورا امکان ہے۔ یقین ہے کہ قارئین کشادہ دلی سے کام لیں گے۔

قرآن مجید اور احادیثِ نبوی میں ہر موضوع سے متعلق تشفی بخش مواد موجود ہے، اس لیے میں نے اپنے ان خطبات میں ضعیف احادیث، موضوع روایات اور بے بنیاد واقعات سے مکمل اجتناب کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں زیادہ تر ''المکتبة الشاملة '' سے استفادہ کیا گیا ہے، اور اکثر حوالے اسی سے ہیں۔

پچھلے چار سالوں سے خاکسار مسجدِ عمر آباد کا خطیب ہے۔ اس مجموعہ میں شامل تمام خطبات اسی مسجد کے منبر و محراب کی یادگار ہیں۔ اس موقع پر سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں۔ پھر ذمہ دارانِ مسجد اور اہلِ عمر آباد کا ممنون ہوں کہ انھوں نے خطابت کی اس عظیم ذمے داری کا مجھے اہل سمجھا اور ملت کی خدمت کا ایک زرین موقع عنایت فرمایا۔

ذمہ دارانِ جامعہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ ان کی ہمت افزائی اور قدم قدم پر رہ نمائی میری علمی زندگی کا عظیم سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت وعافیت اور مخلصانہ خدمات میں خیر و برکت عطا فرمائے کہ ان کے گراں قدر مشورے میرے لیے اس پُر کٹھن اور نازک سفر میں زادِ راہ اور نشانِ

منزل کا کام دیتے رہے۔

مدیر ماہ نامہ راہِ اعتدال مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی عمری حفظہ اللہ اور نائب مدیر، رفیقِ محترم مولانا محمد رفیع کلوری عمری زید مجدہٗ کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے ان مضامین پر نظر ثانی فرمائی اور نوک پلک درست کیے۔

استاذِ محترم مولانا ظہیرالدین صاحب اثری رحمانی حفظہ اللہ کا شکرگزار ہوں، جن کا وقیع مقدمہ اس کتاب کی زینت ہے۔ میرے خطبوں میں مولانا کی تشریف آوری میرے لیے ہمیشہ حوصلہ بخش ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کا سایۂ شفقت تا دیر قائم رکھے۔

میں اپنے اساتذۂ کرام کو فراموش نہیں کرسکتا جن کی تعلیم و تربیت سے کچھ لکھنے، پڑھنے اور بولنے کے قابل ہوسکا۔ ساتھ ہی اپنے ان تمام معاون ساتھیوں کا شکریہ بھی ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس کتاب کی تیاری میں میرا تعاون فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان تمام کی خدمات کو قبول فرمائے اور دونوں جہاں میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

میں حصولِ علم کی خاطر ایک طویل عرصہ والدۂ محترمہ کی نظروں سے دور رہا، اور جب خدمتِ علم کے قابل بنا اور عمرآباد آ پہنچا تو انھوں نے خدمتِ دین اور اشاعتِ علم کی خاطر خوشی خوشی میری جدائی پھر سے گوارا کرلی، اور 4/مارچ 2013ء کو نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے مالکِ حقیقی سے اس طرح جاملیں کہ مجھے آخری دیدار تک نصیب نہیں ہوسکا۔ آج یہ مجموعہ تیار ہوا ہے تو ان کی عظیم قربانیاں مجھے بے اختیار یاد آرہی ہیں۔ اگر والدۂ محترمہ ایثار سے کام نہ لیتیں تو شاید یہ مجموعہ آج قارئین کے ہاتھوں میں نہ ہوتا۔ ربِّ رحمٰن ورحیم انھیں اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور میری حقیر علمی زندگی کو ان کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

حافظ محمد ابراہیم عمری

خالق کی جانب سے مخلوق پر عائد ہونے والے حقوق میں سب سے پہلا حق توحید ہے۔توحید ہی وہ عظیم مقصد ہے، جس کے لیے انس وجن کی پیدائش عمل میں آئی ۔یہ وہ پہلا سبق ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی عالمِ ارواح میں ان کی روحوں کو دیا تھا۔ مسند احمد کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی ہونے والی تمام اولاد کو نکالا اور اس کو اپنے سامنے پھیلا دیا اور ان سے پوچھا: کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: بَلیٰ! شَهِدْنَا۔ ''کیوں نہیں! ہم سب اس کی گواہی دیتے ہیں''۔(مسند أحمد: ج 1/ 272) عالمِ ارواح میں دیے گئے توحید کے اس سبق کو یاد دلانے کے لیے اللہ تعالی نے ہر دور میں اور ہر قوم میں نبیوں اور رسولوں کو بھیجا، جو انسانوں کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے رہے۔ چناں چہ ارشاد ہے: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۔(النحل:36) ''اور ہم نے ہر گروہ کے پاس ایک رسول اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (شیطان اور بتوں کی عبادت) سے بچتے رہو''۔

قرآن مجید آخری ہدایت نامہ ہے، جس میں مختلف واقعات، مثالوں اور پیراؤں میں، آفاق وانفس کی نشانیوں کے ذریعے، آثار ومشاہدات اور عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں اس مسئلہ کو خوب واضح کیا گیا ہے۔قرآن مجید کی کوئی سورت اور کوئی صفحہ ایسا نہیں ہے جو توحید کی تعلیم سے خالی ہو۔مکی سورتیں جن کی تعداد (86) چھیاسی ہے، ان کا بنیادی موضوع ہی توحید اور آخرت ہے۔

آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی نبوی اور دعوتی زندگی کا نصف سے زائد حصہ صرف اسی ایک مسئلہ کی وضاحت پر صرف کیا۔مکہ میں آپ ﷺ کی دعوت کا مرکزی موضوع توحید ہی تھا۔آپ ﷺ لوگوں سے کہتے: قُوْلُوْا لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ تُفْلِحُوْا ۔(صحیح ابن خزیمة: باب مسح باطن الأذنين

و ظاھرھما) لوگو!" لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ'' کا اقرار کرلو، فلاح پاجاؤ گے''۔

آپ ﷺ میں اور اہلِ مکہ میں نقطۂ اختلاف یہی عقیدۂ توحید تھا۔ اہلِ مکہ نے آپ ﷺ کو اس دعوت سے روکنے کے لیے مختلف حربے استعمال کیے، دھمکیاں دیں، مال و دولت، سیادت و قیادت اور حسین و جمیل عورت کا لالچ دیا، جسمانی اذیتیں پہنچائیں، رؤسائے وقت کے ذریعے آپ ﷺ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی، قتل کے منصوبے بنائے اور مصالحت و مداہنت پر آمادہ کرنے کی تدبیریں کیں، مگر آپ ﷺ ایک لمحے کے لیے بھی اس دعوت کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہوے۔ ایک موقع پر کفار نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ایک سال ہم آپ ﷺ کے معبود کی عبادت کریں گے، اور ایک سال آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔ اس کے جواب میں سورۂ کافرون نازل ہوی، جس میں اعدائے اسلام کے اس مطالبے کو دوٹوک الفاظ میں رد کردیا گیا۔

باطل کا کوئی طوفان نہ آپ ﷺ کا راستہ روک سکا اور نہ ضلالت اور گم راہی کی کوئی آندھی آپ ﷺ کا رخ موڑ سکی، بلکہ ''بہار ہو کہ خزاں لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ'' کی صدائیں اور اذانِ توحید کی آوازیں مکہ کی گلی اور کوچوں میں، عرب کے صحراؤں میں اور دیار و امصار کی وادیوں میں برابر گونجتی رہیں۔ بقولِ شاعر

مکہ کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری　　　　تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

اسی عقیدہ کو قبول کرنے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو ستایا گیا، تکلیفیں دی گئیں، مال و متاع چھین لیا گیا، گھر بار اور وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، چناں چہ قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوے فرمایا: اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ۔ (الحج:40) ''جو لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس لیے نکال دیے گئے کہ انھوں کہا: ہمارا رب اللہ ہے''۔

اس کلمہ کے اقرار کے بعد آدمی کے اندر حیرت انگیز تبدیلی اور غیر معمولی قوت پیدا ہوجاتی ہے، اس کے ناتوان جسم میں بلا کی طاقت آجاتی ہے۔ وہ پہاڑوں سے ٹکرانے، ہواؤں کا رخ

موڑنے ،سمندر میں کود پڑنے ،تکالیف کو برداشت کرنے اور مصائب ومشکلات کوجھیلنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔حضرت بلالؓ کو مکہ کی چلچلاتی دھوپ میں گرم ریت پرلٹادیا جاتا، سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا، تاکہ وہ اس عقیدے سے باز آجائیں مگر اس حالت میں بھی احد،احد، (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کی صدا لگاتے۔

حضرت عمارؓ اوران کے بوڑھے والدین یاسرؓ وسمیہؓ کو دشمنانِ اسلام نے رسیوں میں جکڑ کران پرکوڑے برسائے،مگران کے پایۂ استقلال میں ذرابرابر بھی جنبش نہ آئی۔

حضرت خبابؓ کو دہکتے انگاروں پرلٹا کراوپر پتھر رکھ دیا جاتا، تاکہ اٹھ نہ سکیں۔تسلیم ورضا کے اس پیکر نے اس ظلم وستم کوخوشی خوشی برداشت کرلیامگر دین وایمان کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

اس عقیدے کوقبول کرنے کے بعد آدمی آدمی میں بڑا فرق ہوجاتا ہے۔اس کو ماننے والے آپس میں ایک امت بن جاتے ہیں اور اس کا انکار کرنے والے دوسری امت قرار پاتے ہیں۔ توحید کا سچا اقرار آدمی کے اندرایسا ایمان پیدا کردیتا ہے کہ وہ توحید کے مقابلے میں کسی کواہمیت نہیں دیتا۔جنگِ بدر کے موقع پرحضرت ابوبکرؓ کے ایک بیٹے مسلمان نہیں ہوے تھے۔وہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی طرف سے لڑنے کے لیے میدان میں اتر آئے تھے۔بعد میں انھیں قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اس جنگ کا تذکرہ کرتے ہوے اپنے باپ سے کہتے ہیں: کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ آپؓ کی گردن میری تلوار کے زد میں آگئی مگر شفقتِ پدری غالب آگئی اور میں اپنی تلوار روک لیا۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم !اس وقت تمھاری گردن اگر میری تلوار کی زد میں آتی تو میں تمھیں ضرور قتل کرتا، کیوں کہ تم دشمنِ رسول کی صف میں تھے۔

غرض یہ عقیدہ دوستی اور دشمنی کا رخ متعین کرتا ہے۔چناں چہ ارشادِ ربانی ہے: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ، اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ

۔(الممتحنۃ:4)''مسلمانو!یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اوران کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے،جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم لوگ تم سے اورتمھارے ان معبودوں سے بری ہیں جن کی تم اللہ کے سواپرستش کرتے ہو،ہم تمھارے دین کاانکارکرتے ہیں اور ہمارے اورتمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اوربغض کی ابتداہوچکی ہے،یہاں تک کہ تم ایک اللہ پرایمان لے آؤ''۔

اس عقیدے کوقبول کرنے کے بعد آدمی پاک صاف ہوکردائرۂ اسلام میں داخل ہوجاتاہے۔اللہ کامحبوب ہوکرابدی جنت کامستحق بن جاتاہے۔اوراس کے انکارسے کافربن جاتاہے اورہمیشہ کے لیےجہنم کاخوف ناک گڑھااس کامقدربن جاتاہے۔

عقیدۂ توحید کے فوائد: 1۔یہ عقیدہ دنیاوآخرت کی تمام بھلائیوں کاسرچشمہ ہے۔تمام نیکیاں اسی عقیدۂ توحید کے چشمۂ صافی سے پھوٹتی ہیں۔حدیث میں اس کوشجرۂ اسلام کی سب سےاعلیٰ اورافضل شاخ قراردیاگیاہے۔آپ ﷺ کاارشادہے : اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اَوْبِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَۃً ،فَاَفْضَلُھَا قَوْلُ لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاَدْنَاھَااِمَاطَۃُ الْاَذیٰ عَنِ الطَّرِیْقِ ۔ (مسلم:باب شعب الإیمان:162)''ایمان کی ساٹھ یاسترسےزیادہ شاخیں ہیں،سب سے بلندترشاخ'' لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ ''اورسب سےکم ترشاخ راستے سے گندگی کودورکرناہے''۔اورقرآن مجیدمیں اس عقیدہ کو''شجرۂ طیبہ'' سےتعبیرکیاگیاہے،جس کی جڑیں زمین میں پیوست اورشاخیں آسمان میں دوردورتک پھیلی ہوی ہیں۔ارشادباری تعالیٰ ہے:اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ ، تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ ۢ بِاِذْنِ رَبِّھَا۔ (ابراہیم:24،23)''کیاآپ ﷺ نے دیکھانہیں کہ اللہ نےکلمۂ طیبہ کی کیسی مثال دی ہے۔وہ اس عمدہ درخت کے مانندہےجس کی جڑزمین میں مضبوط ہواورجس کی شاخ آسمان میں ہو،جواپنے رب کےحکم سے ہروقت پھل دیتارہتاہے''۔

2۔یہ عقیدہ دنیوی مصائب ومشکلات سےمحفوظ رہنےکابہترین ذریعہ ہے۔اس عقیدہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ انسان کوبڑی سی بڑی تکلیف سےنجات دلاتاہے۔حضرت یونسؑ کوجب مچھلی نےنگل لیاتو

انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اسی توحید کا واسطہ دے کر دعا کی۔ چناں چہ ارشاد ہے: وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ، اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔(الأنبیاء: 87)''اور یونس جب اپنی قوم سے ناراض ہوکر چل دیے تو وہ سمجھے کہ ہم ان پر قابو نہیں پائیں گے۔ پس انھوں نے تاریکیوں میں اپنے رب کو پکارا کہ تیرے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے، تو تمام عیوب سے پاک ہے، میں بے شک ظالم تھا''۔

3۔ یہ نیکی ساری نیکیوں اور سارے اعمال پر بھاری ہے: صحیح حدیث ہے کہ حضرت نوحؑ نے وفات سے قبل اپنے ایک بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''میں تمھیں ایک اہم وصیت کرتا ہوں، غور سے سنو۔ میں تمھیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں اور دو باتوں سے روکتا ہوں۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ '' لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ '' کا اقرار کرو، کیوں کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں اور یہ کلمہ ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو ترازو کا یہ پلڑا بھاری ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ '' سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ '' اس کلمہ کا ورد کرتے رہو، کیوں کہ یہ دنیا کی تمام مخلوقات کی تسبیح ہے، اسی کی بنا پر انھیں رزق دیا جاتا ہے، اور میں تمھیں شرک اور تکبر سے روکتا ہوں''۔(السلسلۃ الصحیحۃ: 134)

4۔ یہ عقیدہ گناہوں کی معافی کا بہترین ذریعہ ہے: حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : ''اے ابن آدم! اگر تو زمین کے برابر گناہ لے کر آئے اور مجھ سے اس حال میں ملے کہ کسی کو میرے ساتھ شریک نہ کیا ہو تو میں روے زمین کے برابر تجھے مغفرت عطا کروں گا''۔(ترمذی: باب فی فضل التوبۃ والاستغفار... :3885) قیامت کے دن ایک شخص کو سارے لوگوں کے روبرو اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر کیا جائے گا، جس کے ننانوے دفتر گناہوں سے پُر ہوں گے، ہر دفتر حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا: کیا تم ان میں سے کسی کا انکار کرتے ہو؟ وہ کہے گا: نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمھارے پاس اس کے مقابلے میں کوئی نیکی ہے، وہ کہے گا: میرے پاس کوئی نیکی بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہاں! ہمارے پاس تمھاری ایک نیکی ہے، آج تم پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جائے گا، جس میں ''أَشْهَدُ أَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

'' لکھا ہوا ہوگا۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! ان گناہوں کے مقابلے میں یہ نیکی میرے کیا کام آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج تم پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔ پھر اس کے گناہ ترازو کے ایک پلڑے میں اور یہ نیکی دوسرے پلڑے میں رکھ دی جائے گی تو نیکی کا یہ پلڑا گناہوں کے پلڑے پر بھاری ہو جائے گا ،جس کی وجہ سے اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے،۔(ابن ماجہ: کتاب الزھد :باب مایرجیٰ من رحمة الله یوم القیامة:**4442**)

5۔عذابِ قبر سے نجات: جس شخص نے اس کلمہ کا اقرار کیا اور اپنی زندگی میں اس پر ثابت قدم رہا، اس کے لیے اللہ تعالیٰ قبر میں فرشتوں کے سوالات آسان کر دیتا ہے اور ایسا شخص عذابِ قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِـرَةِ ۔ (سورۂ ابراہیم:**27**)''اللہ ایمان والوں کو دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں حق بات یعنی کلمۂ طیبہ پر ثابت قدم رکھتا ہے''۔اس آیت میں آخرت سے مراد عالمِ برزخ یعنی عالمِ قبر ہے۔جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے...(بخاری: باب ماجاء فی عذاب القبر :**1369**)

6۔رسول اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی: قیامت کے دن جب سارے لوگ نفسا نفسی کے عالم میں ہوں گے۔ گناہ گار، انبیاء کرامؑ سے اللہ کے دربار میں سفارش کی درخواست کریں گے، اللہ کی ہیبت انبیاء کے دلوں پر اس قدر طاری ہوگی کہ وہ سفارش کرنے سے انکار کر دیں گے۔ایسے میں اللہ کے رسول ﷺ ان گناہ گاروں کے حق میں سفارش کریں گے، مگر آپ ﷺ کی شفاعت ہر کسی کو حاصل نہیں ہوگی۔آپؐ کی شفاعت کے مستحق وہی لوگ ہوں گے جو دنیا میں عقیدۂ توحید پر قائم تھے۔صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ اے اللہ کے رسول ﷺ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے مستحق کون ہوں گے؟ آپ

ﷺ نے جواب دیا:مَنْ قَالَ : لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِہٖ ۔(بخاری:باب الحرص علی الحدیث :99)''جس نے صدقِ دل سے'' لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ '' کااقرار کیا ہو، وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا''۔

7۔جہنم سے چھٹکارا: توحید کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ موحدین کو ایک نہ ایک دن جہنم سے نجات دلائے گا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:أَخْرِجُوا مِنَ النَّارِمَنْ قَالَ لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ۔ (ترمذی:باب أن للنار نفسین... :2796)''اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) کہے گا کہ ہر اس شخص کو جہنم سے نکالو، جس نے'' لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ '' کا اقرار کیا ہو''۔حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام ویسے ہی مٹتا چلا جائے گا، جیسے کپڑے کے نشانات مٹتے جاتے ہیں۔ایک دور ایسا آئے گا کہ نماز، روزہ ،صدقہ اور قربانی کی حقیقت سے لوگ ناواقف ہوں گے،.......اسلام کی کوئی نشانی باقی نہیں رہے گی ،بس کچھ ضعیف اور عمر رسیدہ لوگ باقی رہ جائیں گے، جو کہیں گے:أَدْرَکْنَا آبَاءَ نَا عَلیٰ ھٰذِہِ الْکَلِمَةِ لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ ۔''ہم نے اپنے باپ دادا کو اس کلمے پر پایا، ہم بھی یہی کہیں گے''کسی نے حضرت حذیفہؓ سے کہا:فَمَا تُغْنِیْ عَنْھُمْ لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ؟وَھُمْ لَایَدْرُوْنَ مَا صَلَاةٌ وَمَا صِیَامٌ وَلَاصَدَقَةٌ وَلَانُسُکٌ۔جب وہ نماز، روزہ، زکوۃ اور قربانی جیسی اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہوں تو محض ''کلمہ توحید'' کا اقرار انھیں کیا فائدہ دے گا؟ یہ بات اس نے بار بار دہرائی ۔حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: تُنْجِیْھِمْ مِنَ النَّارِ ثَلَاثًا ۔اس کلمہ کا اقرار انھیں جہنم سے نجات دلائے گا۔یہ بات انھوں نے تین مرتبہ کہی۔(ابن ماجہ:باب ذھاب القرآن والعلم:4185)

8۔جنت میں داخلہ نصیب ہوتا ہے: سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ توحید پر ثابت قدمی جنت میں داخلے کا اہم ذریعہ ہے۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ شَھِدَ أَنْ لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُخْلِصًا مِّنْ قَلْبِہٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔(السلسلۃ الصحیحۃ:2355)''جس شخص نے سچے دل سے'' لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ '' کا اقرار کیا، وہ جنت میں داخل ہوگا''۔ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے'' لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ '' کا اقرار کیا اور اسی پر مرا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: خواہ اس نے زنا کیا ہو، خواہ

چوری کی ہو؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: (ہاں) خواہ زنا کیا ہو، خواہ چوری کی ہو''۔ (مسلم: باب من مات لایشرك بالله شیئا دخل الجنة: 283)

کلمۂ طیبہ کے شرائط : بہت سے لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، موحد ہونے کا دعوی بھی کرتے ہیں مگر قرآن نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے دعوے میں سچے نہیں ہیں۔ چناں چہ ارشاد ہے: وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۔(یوسف: 106) ''اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن وہ مشرک ہیں''۔ فرعون ساری زندگی خدائی کا دعوی کرتا رہا، مگر جب موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور سمندر میں غرق ہونے لگا تو کہا: اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔(یونس: 90) ''میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں اب فرماں برداروں میں سے ہوں''۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۔(یونس: 91) ''کیا اب ایمان لائے ہو؟ اس سے پہلے تک تو نافرمانی کرتے رہے اور فساد برپا کرنے والوں میں سے تھے''۔

اس عقیدہ کا صرف اقرار کرنا کافی نہیں، بلکہ اس کے کچھ شرائط بھی ہیں، جنھیں پورا کرنا ضروری ہے۔ اہل علم نے اس کے سات شرائط بیان کیے ہیں، کلمۂ شہادت کا اقرار کرنے والوں میں اگر یہ شرائط نہ پائے جائیں تو وہ اس کے فوائد و برکات سے محروم رہیں گے۔ وہ شرائط یہ ہیں:

1۔ اس عقیدہ کا ایسا ٹھوس علم جس کے بعد جہالت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

2۔ اس عقیدہ پر ایسا یقین ہو کہ پائے استقلال میں ذرا برابر جنبش نہ آئے۔

3۔ اس عقیدہ کو اس طرح تسلیم کیا جائے کہ اس کے کسی جز کو رد نہ کیا جائے۔

4۔ ایسے بجالائیں کہ اس کے کسی پہلو کو کبھی ترک نہ کریں۔

5۔ ایسا اخلاص ہو جو ہر طرح کے شرک اور ریا کاری کے جذبات سے پاک ہو۔

6۔ایسی سچائی جس میں جھوٹ کا کوئی احتمال نہ ہو۔

7۔توحید سے ایسی محبت جس میں نفرت کا کوئی شائبہ نہ ہو۔

''کلمہ طیبہ کا اگر ایسا اقرار ہو،جس کے مفہوم ومعانی کا نہ علم ہو،نہ یقین ہو،نہ اس کے تقاضوں کے مطابق عمل ہو،نہ شرک سے بیزاری ہو،نہ قول وعمل میں اخلاص ہو،نہ دل اور زبان میں ہم آہنگی ہواورنہ دل اوراعضاء کے کردار میں یگانگت ہوتوایسی شہادت بالاجماع غیرنافع اورغیر مفید ہے۔علامہ قرطبیؒ صحیح مسلم کے حاشیۃ المفہم میں باب باندھتے ہیں'' لَایَکْفِیُ مُجَرَّدُالتَّلَفُّظِ بِالشَّھَادَتَیْنِ بَلْ لَابُدَّ مِنْ اِسْتِیْقَانِ الْقَلْبِ ''۔یعنی صرف دونوں شہادتوں کوزبان سے ادا کرنا کافی نہیں، بلکہ دل سے یقین کرنا ضروری ہے''۔(هداية المستفيد: ج **191/1**)

اللہ تعالیٰ ہمیں توحید کی حقیقت کو سمجھنے اوراس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

دورِحاضر میں انسانی دل ودماغ پر مادیت کا غلبہ ایسا چھا گیا ہے کہ انسان ہر معاملے میں مادی نقطۂ نظر ہی سے سوچنے لگا ہے۔ دنیا والوں کی نظر میں کامیاب اور بامراد وہ ہے جس کے پاس مادی وسائل کی فراوانی ہو، مال ودولت کے انبار ہوں، عالی شان بنگلے ہوں، آرام دہ سواریاں ہوں، عہدہ ومنصب ہو، اور جو شخص ان چیزوں سے محروم ہو، اسے ناکام سمجھا جاتا ہے۔ یہ فلاح وخسران کا مادی تصور ہے، جب کہ اللہ کے نزدیک حقیقی کامیابی کا ذریعہ تقوی اور پرہیزگاری ہے۔ اگر مادیت کے پرستاروں کو تقوی اور اس کی حقیقت معلوم ہوجائے، وہ اس کی لذت سے آشنا ہوجائیں، اس کی وجہ سے دنیا وآخرت میں جو سعادتیں اور دائمی نعمتیں، مقام ومرتبہ، عزوشرف حاصل ہوتا ہے، اس سے واقف ہوجائیں تو اس درِنایاب کو پانے کے لیے وہ اپنی ساری صلاحیتیں صرف کردیں گے۔ امام ابراہیم بن ادھمؒ کا قول ہے: لَوْ يَعْلَمُ الْمُلُوْكُ وَأَبْنَاءُ الْمُلُوْكِ مَا نَحْنُ فِيْهِ لَجَادَلُوْنَا عَلَيْهِ بِالسُّيُوْفِ ۔(شرح العقائد السفارینیۃ للعثیمین) ''جو سکون واطمینان، عیش وسرود (ایمان وتقوی کی بدولت) ہمیں حاصل ہے، اگر اس کا حقیقی علم بادشاہوں اور شہزادوں کو ہوجائے تو اس چیز کو ہم سے چھین لینے کی خاطر وہ تلوار لے کر ہمارے مقابلے کے لیے آئیں گے''۔ تقوی بقولِ امام غزالیؒ ایک عظیم خزانہ ہے۔ اگر کسی کو یہ حاصل ہوجائے تو گویا اسے دنیا وآخرت کی ساری سعادتیں حاصل ہوگئیں۔

تقوی کا مفہوم : تقوی کے اصل معنی بچانے اور باز رکھنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں گناہ کا سبب بننے والی چیزوں سے دامن بچانے کا نام تقویٰ ہے ۔

تقوی اهل علم کی نظر میں : امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت کعب احبارؒ سے تقوی کے بارے میں دریافت کیا، تو کعبِ احبار نے پوچھا: کیا آپ کا گزر کبھی کسی خاردار جھاڑیوں کے درمیان سے ہوا ہے؟ امیر المومنین نے اثبات میں جواب دیا تو وہ پوچھنے لگے: آپؓ

وہاں سے کیسے گزرے؟ آپؓ نے فرمایا: میں اپنے کپڑے سمیٹ کر پوری احتیاط کے ساتھ گزرا، تاکہ کہیں کوئی کانٹا میرے پیروں میں چبھ نہ جائے یا میرے دامن سے الجھ نہ جائے۔ کعبِ احبارؓ فرمانے لگے: تقوی اسی کا نام ہے کہ انسان راہِ حیات میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھے، تاکہ وہ کسی معصیت میں الجھ نہ جائے اوراس کا قدم گناہوں کے دلدل میں پھنس نہ جائے''۔(نضرۃ النعیم:4/70)

حضرت علیؓ نے فرمایا: هِيَ الْخَوْفُ مِنَ الْجَلِيْلِ وَالْعَمَلُ بِالتَّنْزِيْلِ وَالرِّضَا بِالْقَلِيْلِ وَالْإِسْتِعْدَادُ لِيَوْمِ الرَّحِيْلِ ۔(خطب ومحاضرات للشیخ سعید بن مسفر)''اللہ سے ڈرنا، شریعت کے مطابق زندگی گزارنا اور قدرِ کفاف پر قناعت کرنا اور قیامت کے دن کے لیے تیاری کرنا یہی تقوی ہے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: أَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصىٰ وَأَنْ يُّذْكَرَ فَلَا يُنْسىٰ وَأَنْ يُّشْكَرَ فَلَا يُكْفَرُ ۔(خطب ومحاضرات للشیخ محمد حسان)''تقوی یہ ہے کہ اللہ ہی کی اطاعت کی جائے، کسی بھی حالت میں اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اس کو یاد رکھا جائے، کبھی اس کو بھلایا نہ جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے، کبھی ناشکری نہ کی جائے''۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: اَلْمُتَّقُوْنَ اِتَّقُوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَأَتَوْا مَا افْتَرَضَ اللّٰهُ ۔ (تعریفات التقوی: خطب ومحاضرات للشیخ سعید بن مسفر)''متقی وہ ہیں جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچتے ہیں اور اس کے احکام بجالاتے ہیں''۔

ان تمام تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تقوی ہر طرح کے گناہوں سے بچتے ہوئے اللہ کے احکام بجالانے کا نام ہے۔

تقوی کی اہمیت : تقوی کا لفظ قرآن مجید میں 80/سے زائد مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی آخری کتاب کا آغاز ہی اس حقیقت سے کیا ہے کہ یہ کتاب پرہیزگاروں کے لیے باعثِ ہدایت ہے۔ تقوی کی اہمیت کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالی نے ہر دور میں اہلِ

ایمان کو اس اہم صفت سے متصف ہونے کی وصیت کی ہے، چناں چہ ارشاد ہے: وَ لَقَدْ وَ صَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۔(النساء: 131)''اور ہم نے ان لوگوں کو جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمھیں بھی وصیت کی تھی کہ اللہ سے ڈرو''۔

رسول اکرم ﷺ اپنے ہر خطبہ میں قرآن مجید کی تین آیتیں (سورۂ آل عمران، آیت نمبر: 102، سورۂ نساء، آیت نمبر: 1، اور سورۂ اُحزاب، آیت نمبر: 70) تلاوت فرماتے، جن میں اہلِ ایمان کو تقوی اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ آپ ﷺ ہر اہم موقع پر صحابہ کرامؓ کو تقوی اختیار کرنے کی تلقین فرماتے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں ایسی باتیں بتائیں کہ صحابہ کے دل دہل گئے، اور آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ راویٔ حدیث عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا یہ آپ ﷺ کی آخری نصیحت ہے۔ ایک صحابی نے کہا: ہمیں کوئی نصیحت کیجیے، چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا: أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا.. ۔(ترمذی: باب ماجاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدعة :2891)''میں تمھیں تقوی کی وصیت کرتا ہوں اور امیر کی اطاعت و فرماں برداری کی تاکید کرتا ہوں، بھلے ہی وہ ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو''۔

اللہ کے رسول ﷺ سے جب کوئی نصیحت کی درخواست کرتا تو آپ ﷺ اسے تقوی کی تلقین فرماتے۔ حضرت سعد بن مالکؓ نے آپ ﷺ سے فرمایا: اے اللہ کے رسول! مجھے نصیحت کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ شَيْءٍ ۔(صحیح الجامع الصغیر: 2543)''میں تمھیں تقوی کی وصیت کرتا ہوں، اس لیے کہ تقوی ہر چیز کا جوہر ہے''۔

تقوی کے فوائد : دنیا اور آخرت کی تمام سعادتیں تقوی ہی کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہیں۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ اسے مال و دولت کی فراوانی حاصل ہو جس کے ذریعے وہ دنیا میں سکون و اطمینان کی زندگی گزار سکے۔ مال و دولت اور سارے مادی وسائل تقوی اور پرہیزگاری کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ

مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ۔ (الطلاق:3،4)''جوکوئی اللہ سے ڈرتے ہوے کام کرے گا،اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کردے گا اوراسے ایسے راستے سے رزق دے گا، جدھر اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو''۔

دنیا میں بہت سی قومیں گزری ہیں، جنھوں نے کسبِ مال کے لیے بڑی کوششیں کیں، مگر ان کی آرزو کے مطابق مال حاصل نہیں ہوسکا۔اس کا سبب قرآن مجید تقوی کا فقدان بتاتا ہے۔اگران کی زندگی تقوی سے معمور ہوتی تو اللہ تعالیٰ انھیں فراوانی کے ساتھ مال ودولت عطا کرتا:وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰٓی اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ۔ (الأعراف :96)''اوراگر بستیوں والے ایمان لے آتے اورتقوی کی راہ اختیار کرتے تو ہم آسمان وزمین کی برکتیں ان پر کھول دیتے''۔

انسان چاہتا ہے کہ اس دنیا میں اس کے بعداس کی اولاد ایک خوش گوار زندگی گزارے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر آدمی متقی بن جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے تقوی کی برکت سے اس کی اولاد بھی خوش حال زندگی عطا کرے گا:وَلۡیَخۡشَ الَّذِیۡنَ لَوۡ تَرَکُوۡا مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَیۡهِمۡ فَلۡیَتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡیَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا ۔(النساء:9)''اوران لوگوں کوڈرنا چاہیے جواگر اپنے بعد(انہی یتیموں کی طرح)اپنی کم زور اولاد کوچھوڑ جاتے تو ان کے ضائع ہوجانے کا انھیں کیسا خوف لاحق ہوتا،پس اللہ سے ڈریں اوردرست بات کہیں''۔

تقوی ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان کے سارے معاملوں کی آسانی وابستہ ہے۔ارشادِ باری ہے: وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ یُسۡرًا(الطلاق:4) ''اور جوشخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے معاملات کوآسان کردے گا''۔

تقوی بہترین زادِراہ ہے۔(البقرۃ:197)تقوی سب سے بہتر لباس ہے (الاعراف :26)تقوی آپسی تعاون کی بنیاد ہے۔(المائدہ:2)تقوی عزت وشرافت کا حقیقی معیار ہے۔تقوی اللہ کی قربت اوردوستی کا ذریعہ ہے۔(الانفال:34)

تقوی کوئی معمولی چیز نہیں، اگر کوئی قوم بحیثیتِ مجموعی اپنے اندر یہ صفت پیدا کر لے تو وہ دنیا کی زمامِ اقتدار کی مالک بن جائے گی۔ غور کیجیے کہ مسلمانوں کا ابتدائی دور کتنا سنگین اور پر خطر تھا۔ دشمنانِ اسلام نے ان کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ انھیں جلاوطن کر دیا گیا۔ تین سال تک شعبِ ابی طالب میں محصور کیا گیا۔ غربت وافلاس کا یہ حال تھا کہ گھروں میں کئی کئی دنوں تک چولھا نہیں سلگتا تھا۔ کھانے کے لیے کچھ نہ ملتا تو درخت کے پتے اور سوکھے چمڑے کھا کر گزارا کرتے۔ تن ڈھانکنے کے لیے سلیقے کے کپڑے میسر نہیں تھے۔ پیروں میں جوتے یا چپل تک نہیں ہوا کرتے تھے۔ جنگِ ذات الرقاع میں ننگے پیر چلنے کی وجہ سے پیر زخمی ہو گئے۔ آخر ایک وقت آیا کہ یہ خستہ حال لوگ دنیا کے امام بن گئے۔ اس کی بنیادی وجہ تقوی تھی۔ اسی عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: اِنَّہٗ مَنۡ یَّتَّقِ وَیَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۔(یوسف: 90)''بے شک جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے، تو یقیناً اللہ اچھے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔

تقوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دشمنوں کے مکر وفریب سے انسان کی حفاظت فرماتا ہے: وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُھُمۡ شَیۡئًا ۔(آل عمران:120)''اگر تم صبر کروگے اور اللہ سے ڈرتے رہوگے، تو ان کا مکر وفریب تمھیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا''۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ روم کے خلاف محاذِ جنگ پر تھے۔ امیر المومنین عمر بن خطابؓ نے انھیں خط لکھا: یَا سَعۡدُ! اُوۡصِیۡكَ وَمَنۡ مَّعَكَ مِنَ الۡجُنۡدِ بِتَقۡوَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ، فَاِنَّ التَّقۡوٰی ھِیَ اَعۡظَمُ الۡعُدَّةِ عَلَی الۡعَدُوِّ، وَاِنَّمَا یُنۡصَرُ الۡمُسۡلِمُوۡنَ بِتَقۡوَاھُمۡ لِلّٰہِ وَبِمَعۡصِیَةِ عُدُوِّھِمۡ لَہٗ، فَاِذَا اسۡتَوَیۡنَا نَحۡنُ وَھُمۡ فِی الۡمَعۡصِیَةِ کَانَ الۡفَضۡلُ لَھُمۡ عَلَیۡنَا فِی الۡقُوَّةِ ۔(المفصل من عوامل النصر والھزیمۃ: علی بن نایف الشحود)''اے سعدؓ! میں تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو تقوی کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ تقوی دشمنوں کے خلاف سب سے اہم ہتھیار ہے۔ نصرتِ الٰہی کا اصل راز یہ ہے کہ اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرماتا ہے۔ اہلِ ایمان کے تقوی اور اعدائے اسلام کی معصیت کے سبب ہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سرخ رو فرماتا ہے''۔

تقوی ایک نور ہے۔ راہِ حیات کی پرخطر وادیوں میں جہاں قدم قدم پر فواحش ومنکرات کا ایک سیلاب ہے، شہوات وشبہات کی آندھیاں ہیں اور معصیت اور گناہ کی گھٹاٹوپ تاریکیاں ہیں، ایسے میں تقوی ایک مینارۂ نور اور عظیم روحانی قوت ہے، جو مومن کے اندر طاغوت اور اس کے ہم نواؤں سے مقابلے کا حوصلہ اور جذبہ پیدا کرتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: يَآأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۔(الأنفال:29)''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمھیں نورِ بصیرت عطا کرے گا اور تمھارے گناہوں کو مٹا دے گا اور تمھیں معاف کردے گا اور اللہ عظیم فضل والا ہے''۔

جہنم سے نجات بھی تقوی ہی کی بدولت ملتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۔(مریم:72،71)''اور تم میں سے ہر شخص اس پر سے ضرور گزرے گا۔ یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔ پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو (دنیا میں) اللہ سے ڈرتے رہے تھے''۔

جنت کے حقیقی وارث متقی ہی ہوں گے، جیسا کہ فرمایا گیا: تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۔(مریم:63)''یہ وہ جنت ہے جس کا وارث اپنے بندوں میں سے ہم اسے بنائیں گے جو صاحبِ تقوی ہوگا''۔

تقوی کے ثمرات : انسان کی تمام برائیوں کا خاتمہ اور ساری خرابیوں کا سدِ باب تقوی ہی کے ذریعے ممکن ہے، کیوں کہ تقوی کا تعلق دل سے ہے۔ آپ ﷺ نے ایک موقع پر سینے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تھا کہ تقوی یہاں ہے۔(ترمذی: باب ماجاء فی شفقة المسلم علی المسلم: 2952) یعنی جسم کا یہ حصہ (دل) اگر درست ہوجائے تو سارا جسم درست ہوجاتا ہے، اور اگر اس میں بگاڑ آجائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ فرد کی اصلاح دل کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں، اور دل کی اصلاح یہ ہے کہ وہ تقوی سے معمور ہو۔ جس کا دل تقوی سے معمور ہوگا، وہ گناہ کے ارتکاب کی جسارت نہیں کرے گا۔ اور اگر کبھی بہ تقاضائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو تقوی کی

کیفیت اسے بے چین کر دیتی ہے، یہاں تک کہ وہ اس گناہ سے اپنے آپ کو پاک نہ کر لے۔صحابہ کرامؓ انبیاء کرامؑ کے بعد تقوی کے بلندترین مقام پر فائز تھے،مگر جب بھی ان سے کوئی گناہ سرزد ہوجاتا تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر نہ صرف اپنے جرم کا اعتراف کرتے بلکہ اس کی سزا کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے۔ ''ماعزؓ نامی ایک صحابی سے زنا سرزد ہوگیا۔وہ اپنے اس فعل پر اس قدر نادم ہوے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہتے ہیں: طَهِّرْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے پاک کردیجیے۔آپ ﷺ نے جواب دیا:وَيْحَكَ !اِرْجِعْ فَاسْتَغْفِرِاللّٰهَ وَتُبْ اِلَيْهِ ۔افسوس ہے تم پر!لوٹ جاؤ،اس سے توبہ واستغفار کرو،اللہ تمھارے گناہ کو معاف کردے گا۔وہ واپس گئے ،(مگر تقوی کی وجہ سے احساسِ ندامت کی جو چنگاری دل میں پیدا ہوئی تھی ،وہ بجھنے کی بجائے شعلہ بنتی چلی گئی) کچھ دور جانے کے بعد واپس آئے اور کہنے لگے:اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے پاک کر دیجیے۔تین مرتبہ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے ،اوریہی جملہ دہراتے رہے۔آپ ﷺ ہر مرتبہ انھیں واپس کر دیتے ۔چوتھی مرتبہ بھی جب انھوں نے یہی بات کہی تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کس چیز سے پاک کروں؟انھوں نے کہا: (حد جاری کرکے)زنا سے پاک کردیجیے۔آپ ﷺ نے سامعین سے پوچھا: کیا یہ پاگل تو نہیں ہوگئے؟ صحابہؓ نے جواب دیا:نہیں۔پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا یہ نشے کی حالت میں تو نہیں؟ایک صحابیؓ نے ان کے قریب جا کر بوسونگھی لیکن شراب کی بو نہیں پائی ۔پھر آپ ﷺ نے تصدیق کے طور پر دوبارہ پوچھا: کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے؟انھوں نے کہا:ہاں! تب آپ ﷺ نے انھیں رجم کرنے کا حکم دیا''۔(**مسلم**:باب من اعترف علی نفسه بالزنا:**4515**)اسی طرح کا واقعہ غامدیہ نامی عورت کے ساتھ بھی پیش آیا۔

تقوی اس بلند مقام کا نام ہے جس کو پانے کے لیے بعض مباح چیزوں کو بھی ترک کردینا پڑتا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَرًا لِمَا بَأْسَ بِهِ ۔(**ابن ماجۃ**:كتاب الزهد:باب الورع والتقوى :**4355**)''بندہ اہلِ تقوی کے بلند مقام کو اس وقت تک پہنچ نہیں سکتا جب تک کہ وہ بعض ان مباح چیزوں کو ترک نہ

کردے جن سے معصیت اور گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو''۔

متقی بہت محتاط زندگی گزارتا ہے۔وہ راہِ حیات میں ایک ایک قدم بہت پھونک کر رکھتا ہے۔وہ ہر مشتبہ اور شک میں ڈالنے والی چیز سے بچتا ہے۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے راستہ میں گری ہوی کھجور دیکھی تو فرمایا: لَوْلَا أَنِّيْ أَخَافُ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا ۔(بخاری: کتاب اللقطة: باب اِذا وجد تمرة فی الطریق: **2431**) ''اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہوگی تو میں اس کو ضرور کھالیتا''۔

حضرت ابوبکرؓ حد درجہ پرہیزگار انسان تھے۔اپنے دورِ خلافت میں مسلمانوں کے بیت المال سے وظیفہ لیتے تھے۔اپنی آخری وصیت میں فرمایا: ''میں نے اب تک جو رقم حاصل کی ہے، ساری واپس کردی جائے۔ایسا نہ ہو کہ میں نے جتنی تنخواہ لی ہے، اس کا حق ادا نہ کیا ہو''۔

حضرت ابوبکرؓ کا ایک غلام تھا جو اپنی کمائی کا ایک مقرر حصہ ابوبکرؓ کو دیا کرتا تھا۔چناں چہ ابوبکرؓ اس غلام کی لائی ہوی چیز کو کھالیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ وہ غلام کوئی چیز لایا جس میں سے کچھ ابوبکرؓ نے بھی کھالیا۔غلام نے کہا: کیا آپؓ جانتے بھی ہیں کہ یہ کیسی چیز ہے؟ فرمایا: مجھے کیا معلوم، تم ہی بتاؤ، یہ کیسی چیز ہے؟ غلام نے کہا: میں ایامِ جاہلیت میں ایک شخص کو غیب کی باتیں بتایا کرتا تھا، حالانکہ میں کہانت کا فن اچھی طرح نہیں جانتا تھا، بلکہ میں (غلط سلط باتیں بتا کر) فریب دیا کرتا تھا، (اتفاقاً) آج اس شخص سے ملاقات ہوگئی تو اس نے مجھے یہ چیز دی، جو آپؓ نے کھائی ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے اپنے منہ میں ہاتھ ڈال کر قے کردی اور جو کچھ پیٹ میں تھا (از راہِ احتیاط) سب باہر نکال دیا۔(بخاری: باب ایام الجاھلیة: **3842**)

ایک دفعہ بحرین سے مالِ غنیمت میں مشک اور عنبر آیا۔اسے تقسیم کرنے کے لیے امیر المومنین کو ایسے شخص کی تلاش ہوی جو نہایت احتیاط کے ساتھ وزن کرسکے۔آپؓ کی بیوی نے کہا: میں نہایت خوش اسلوبی سے اس کام کو انجام دے سکتی ہوں۔فرمایا: میں تم سے یہ کام نہیں لوں گا۔مجھے ڈر ہے کہ مشک تمھاری انگلیوں میں لگ جائے گا۔پھر تم اپنے جسم پر ملوگی اور اس کا جواب دہ میں ہوں گا''۔

حصولِ تقویٰ کے ذرائع : تقویٰ کے فوائد وبرکات بے شمار ہیں اور دین میں اس کی اہمیت اور قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔ تو ہر مومن کو متقی بننے کی فکر کرنی چاہیے، اور ان اسباب کو اپنانا چاہیے جو تقویٰ اختیار کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔ قرآن مجید اور صحیح احادیث میں حصولِ تقویٰ کے بہت سے اسباب اور ذرائع بتائے گئے ہیں۔ یہاں چند ذرائع پیش کیے جا رہے ہیں:

1۔ تقویٰ کا سب سے اہم ذریعہ عبادات اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔(البقرۃ: **321**) ''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر گئے ، تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ''۔ بندہ جس قدر اللہ کی عبادت کرے گا، اسی قدر اس کا دل تقویٰ سے معمور ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ سب سے زیادہ عبادت گزار تھے، اسی لیے آپ سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار تھے۔ چناں چہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اِنِّیْ أَخْشَاكُمْ وَأَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ ۔(بخاری: باب الترغیب فی النکاح **5063**:) ''میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں''۔

2۔ قرآن فہمی: قرآن مجید کتابِ تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔(البقرۃ: **2**) ''یہ کتاب شک وشبہ سے پاک ہے، اللہ سے ڈرنے والوں کی رہ نمائی کرتی ہے''۔

متقی بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کتاب کی تلاوت کی جائے ، اس پر عمل کیا جائے اور اس کے حقوق ادا کیے جائیں۔ چناں چہ ارشاد ہے: خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔(البقرۃ: **63**) ''ہم نے تمھیں جو دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور اس میں جو ہے اسے یاد کرو تا کہ اللہ سے ڈرو''۔

3۔ اتباعِ رسول: حصولِ تقویٰ کا ایک اور اہم ذریعہ سنت کی پیروی اور اس کی اتباع ہے۔ عمل کی قبولیت کے لیے اتباعِ سنت شرط ہے۔ جو عمل سنتِ رسول کے خلاف ہوگا، وہ قابلِ قبول نہیں

ہوگا۔ کتنے ہی لوگ قیامت کے دن ڈھیر سارے اعمال لے کر آئیں گے مگر ان کے اعمال ضائع کر دیے جائیں گے، محض اس وجہ سے کہ یہ اعمال سنتِ رسول ﷺ کے مطابق نہیں تھے، وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔(الأنعام:153) ''اور بے شک یہی میری سیدھی راہ ہے، پس تم لوگ اسی کی پیروی کرو اور دوسرے طریقوں پر نہ چلو جو تمھیں اس کی (سیدھی) راہ سے الگ کر دیں۔ اللہ نے تمھیں ان باتوں کا حکم دیا ہے تاکہ تم تقوی کی راہ اختیار کرو''۔

4۔ حقوق کی ادائی اور معاملات کی درستی تقوی کا ایک اہم ذریعہ ہے: معاشرے میں ایک ساتھ رہنے والے افراد پر ایک دوسرے کے کچھ حقوق اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان حقوق کو ادا کرنے سے جہاں ایک صالح معاشرہ قائم ہوتا ہے وہیں اس کے افراد کے دلوں میں تقوی اور پرہیزگاری کی صفت بھی پروان چڑھتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں جہاں بھی حقوق اور معاملات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں خصوصیت کے ساتھ تقوی کی تعلیم دی گئی۔ سورۂ نساء میں رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے پر ابھارتے ہوئے پہلے اور بعد میں تقوی کا ذکر کیا گیا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۔(النساء:1) ''اور اس اللہ سے ڈرو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو''۔ سورۂ طلاق جس میں شوہر اور بیوی کے حقوق تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، جگہ جگہ تقوی اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی۔ سورۂ بقرہ میں قرض کے مسائل تفصیل سے بیان کیے گئے۔ آخر میں فرمایا گیا: فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۔(البقرة:283) ''اگر تم میں سے کوئی کسی پر بھروسہ کرلے تو (جس پر بھروسہ کیا گیا ہے) اسے چاہیے کہ اس کی امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے''۔ سود کے احکام بیان کرتے ہوئے بار بار تقوی پر ابھارا گیا، (سورۂ بقرہ، آل عمران)۔ دشمنوں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔(المائدة:8) ''انصاف کرو، یہی بات تقوی کے زیادہ قریب ہے''۔

قصاص کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔(البقرۃ:179)''اے اصحابِ عقل وخرد! قصاص میں تمھارے لیے بڑی زندگی ہے، شاید کہ تم اس کی وجہ سے قتل وخوں ریزی سے بچتے رہو گے''۔

5۔توفیقِ الٰہی کے بغیر تقوی کی دولت حاصل نہیں ہوسکتی، اس لیے مومن کو چاہیے کہ عملی کوششوں کے ساتھ اللہ سے دعا بھی کرتا رہے۔چناں چہ رسول اکرم ﷺ محبوبِ الٰہی ہونے کے باوجود ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے:اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْئَلُكَ الْهُدىٰ وَالتُّقىٰ وَالْعَفَافَ وَالْغِنىٰ ۔(مسلم :کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ:باب التعوذ من شر..:7079)''اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت کا، تقوی اور پرہیزگاری کا، عفت و پاک دامنی کا اور بے نیازی کا سوال کرتا ہوں''۔آپ ﷺ کی ایک اور دعا یہ ہے:اَللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِيْ تَقْوَاهَا،وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُمَنْ زَكّٰهَا ۔(نسائی:باب الاستعاذۃ من العجز :5475)''اے اللہ! تو میرے نفس کو تقوی اور پرہیزگاری سے بھر دے، اس کا تزکیہ فرما۔ تو ہی بہترین تزکیہ کرنے والا ہے''۔

تقوی کے سلسلے میں یہ چند بنیادی باتیں تھیں۔موجودہ دور میں تقوی کی صفت نایاب ہوتی جارہی ہے۔عام افراد کے ساتھ اہلِ علم میں بھی اس طرف توجہ کی کمی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ تقوی کی اہمیت کو سمجھا جائے اور اُسے عملی زندگی کا حصہ بنانے کی فکر کی جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تقوی سے متصف ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

انسان عاجز، لاچار، مجبور اور محتاج مخلوق ہے۔ وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر اور اپنی عمر کے ہر مرحلے میں اپنے پروردگار کا محتاج ہے۔ اس سے بے نیاز ہو کر وہ اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی گزار نہیں سکتا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۔(فاطر:15)''اے لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو''۔

زندگی میں ہر انسان مختلف مسائل سے دوچار ہوتا ہے۔ بعض سنگین مسائل حل ہوتے نظر نہیں آتے۔ کبھی انسان ایسے حالات سے دوچار ہوتا ہے، جہاں تمام دنیوی سہارے ٹوٹ جاتے ہیں، ظاہری اسباب ناکام ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ اپنے بھی بے گانے، انتہائی قریبی بھی اجنبی اور اپنے بھی پرائے ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی سہارا کام آ سکتا ہے تو وہ خالقِ حقیقی کا سہارا ہے۔ حضرت یونسؑ اپنی قوم سے اس قدر ناراض ہو گئے کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیے بغیر ایک کشتی میں سوار ہو کر نکل پڑے۔ کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ اس کا بوجھ کم کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی گئی تو قرعۂ فال یونسؑ کے نام نکلا، کشتی والوں نے انھیں سمندر میں پھینک دیا، جہاں ایک مچھلی نے انھیں نگل لیا۔ یونسؑ کے سارے مادی اسباب ٹوٹ چکے تھے۔ وہاں کوئی نہیں تھا، جو ان کی مدد کرتا مگر انھیں یقین تھا کہ اس دشوار گھڑی میں ایک ہی ذات ایسی ہے جو انسان کی مدد کرتی اور کر سکتی ہے۔ چناں چہ انھوں نے اس ذات اقدس سے دعا کی اور پوری عاجزی کے ساتھ پکارا: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔(الأنبیاء:87)''پس انھوں نے تاریکیوں میں اپنے رب کو پکارا کہ تیرے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، تو تمام عیوب سے پاک ہے، میں بے شک ظالم تھا''۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی پکار سن لی اور انھیں اس مصیبت سے نجات دلائی۔ چناں چہ ارشاد ہے: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۔(الأنبیاء:88)''تو ہم نے ان

کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات دی، اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں''۔

اسلام میں دعا کی اہمیت : اسلام نے دعا کو عبادت کا درجہ عطا کر کے اللہ سے مانگتے رہنے پر ابھارا ہے۔(ابوداؤد:باب الدعاء: **1481**) اور جو لوگ اللہ سے نہیں مانگتے، انھیں جہنم کے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔(سورۂ مومن: **60**)

عام طور پر ہمارے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس وقت اٹھتے ہیں جب ہم کسی بڑی پریشانی سے دوچار ہوتے ہیں، یا کسی مسئلے میں کوشش کر کے ناکام ہوتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اور ہر وقت مانگنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: اِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ۔ (ترمذی:باب قول النبی:یاحنظلة..: **2706**)''مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو''۔

چھوٹی بڑی ہر چیز اسی سے مانگنی چاہیے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْأَلَهُ شِسْعَ نَعْلِهِ اِذَا انْقَطَعَ ۔(مسند ابی یعلی)''تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اللہ ہی کو پکارے، یہاں تک کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اسی سے مانگے''۔

اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والوں سے خوش ہوتا ہے اور جو نہیں مانگتے، ان سے ناراض ہوتا ہے۔ (ترمذی: کتاب الدعوات : **3700**) اس کے نزدیک دعا سے افضل کوئی چیز نہیں۔(ترمذی: باب ماجاء فی فضل الدعاء: **3696**) جب بندہ ہاتھ پھیلا کر اس سے مانگتا ہے تو خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے اسے شرم آتی ہے۔(ابن ماجہ: کتاب الدعاء:باب رفع الیدین فی الدعاء: **3998**) اللہ سے نہ مانگنے والے کو آپ ﷺ نے سب سے بڑا عاجز قرار دیا۔(صحیح ابن حبان: **4498**)

اللہ کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ نوازنے سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ حدیثِ قدسی میں ارشادِ ربانی ہے: ''اے میرے بندو! تمھارے اگلے اور پچھلے، انس و جن سب کے سب ایک میدان میں جمع ہو کر مجھ سے اپنی اپنی ضرورتوں کا سوال کریں اور میں تم میں سے ہر ایک کی ضرورت پوری

کردوں تو اس سے میرے خزانے میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی کہ سوئی کوڈبوکر نکالنے سے ایک وسیع سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔"(**مسلم**: باب تحریم الظلم: **6737**)

جب اللہ کی رحمت اس قدر وسیع ہے تو بندوں کو چاہیے کہ اس سے خوب مانگیں۔ بڑی بڑی چیزیں ہی نہیں، بلکہ ضرورت کی ہر چیز اللہ سے مانگنی چاہیے۔ صرف دنیا کی بھلائی نہیں بلکہ دنیا وآخرت کی ہر بھلائی اللہ سے مانگنی چاہیے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: فَـإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْـجَـنَّةِ وَفَـوْقَـهُ عَـرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تُفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ ۔(**بخاری**: بـاب و كـان عرشه على المـاء: **7423**)"جب اللہ سے مانگنا ہو تو جنت الفردوس مانگو۔ بے شک یہ جنت کا درمیانی اور سب سے اونچا مقام ہے، جس کے بعد رحمٰن کا عرش ہے۔ یہیں سے جنت کی ساری نہریں بہتی ہیں"۔

دعا کے آداب : اللہ سے مانگنے کے کچھ آداب ہیں، جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

1۔ دعا سے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کی جائے اور اللہ کے رسول ﷺ پر درود بھیجا جائے۔

حضرت فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے سنا، اس نے نہ اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور نہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا۔ آپؐ نے فرمایا: اس نے جلد بازی کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيْدِاللّٰهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ لْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِ ﷺ ثُمَّ لْيَدْعُ بَـعْـدُ بِمَا شَاءَ ۔(**ترمذی**: بـاب يـأيهـاالـمـصلى ادع تجب :**3815**)"جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اسے چاہیے کہ پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کرے، پھر اللہ کے نبی پر درود بھیجے، پھر اپنے لیے جو چاہے اللہ سے مانگے"۔

ایک شخص کو آپ ﷺ نے یوں دعا کرتے ہوئے سنا: اَلـلّٰـهُـمَّ اِنِّـىْ أَسْئَلُكَ بِأَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَااِلٰـهَ اِلَّاأَنْـتَ الْأَحَـدُالصَّمَدُالَّذِىْ لَمْ يَلِدْوَلَمْ يُوْلَدْوَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًاأَحَدٌ ۔"اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس بات کا واسطہ دے کر کہ تو ہی اللہ ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، تو اکیلا اور بے نیاز ہے، نہ کسی نے اسے جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور اس کی برابری کرنے والا کوئی نہیں"۔آپ

ﷺ نے کہا:وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ سَأَلَ اللّٰہَ بِاسْمِہِ الْأَعْظَمِ الَّذِیْ إِذَا دُعِیَ بِہٖ أَجَابَ وَإِذَا سُئِلَ بِہٖ أُعْطِیَ۔ ’’قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس نے اللہ تعالیٰ سے ’’اسم اعظم‘‘ کے وسیلے سے دعا مانگی ہے۔ اس کے وسیلے سے جب دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے، اور سوال کیا جائے تو عطا کرتا ہے‘‘۔(ابن ماجہ: باب اسم اللہ الأعظم: 3990)

2۔ دعا پورے اخلاص کے ساتھ کرنی چاہیے۔ کافر ومشرک بھی جب خلوصِ دل سے پکارتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی ضرور سنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار ومشرکین جب کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاتے تو اپنے معبودانِ باطلہ کو پکارنے کی بجائے پورے اخلاص کے ساتھ اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ چناں چہ فرمایا گیا: فَإِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۔ (العنکبوت: 65) ’’جب یہ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں‘‘۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جن لوگوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا ان میں عکرمہ بن ابی جہل بھی تھے۔ عکرمہ ایک کشتی میں سوار ہو کر فرار ہو گئے۔ راستے میں کشتی سخت طوفان میں گھر گئی۔ کشتی والوں نے جب دیکھا کہ اس مشکل سے نجات کا کوئی ظاہری سہارا نہیں تو آپس میں کہنے لگے:أَخْلِصُوْا فَإِنَّ آلِهَتَكُمْ لَا تُغْنِیْ عَنْكُمْ شَیْئًا هَاهُنَا۔ ’’خلوص دل سے اللہ کو پکارو، تمھارے معبودان باطلہ یہاں کچھ کام نہیں آ سکتے‘‘۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں: ’’اگر سمندر کی اس طغیانی سے مجھے اخلاص ہی بچا سکتا ہے تو خشکی میں بھی یہی چیز مصائب ومشکلات سے نجات دلا سکتی ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا کرنے لگے:اَللّٰھُمَّ إِنَّ لَكَ عَلَیَّ عَهْدًا إِنْ أَنْتَ عَافَیْتَنِیْ مِمَّا أَنَا فِیْهِ أَنْ آتِیَ مُحَمَّدًا ﷺ حَتّٰی أَضَعَ یَدِیْ فِیْ یَدِهٖ فَلَأَجِدَنَّهُ عَفُوًّا كَرِیْمًا۔ ’’اے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے نجات دلائی تو میں ضرور محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا (یعنی اسلام قبول کر لوں گا) اور مجھے یقین ہے کہ وہ میرے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمائیں گے‘‘۔ بالآخر یہی واقعہ ان کے قبول اسلام کا سبب بنا‘‘۔(نسائی:

باب الحکم فی المرتد:4084)

3۔دعا پورے عزم اور یقین کے ساتھ کرنی چاہیے۔آپ ﷺ نے فرمایا:اِذَا دَعَا أَحَدُکُمْ فَلَایَقُلْ :اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ وَلٰکِنْ لِیَعْزِمِ الْمَسْأَلَۃَ ۔(**مسلم**:باب العزم بالدعاء:6988)
''جب تم دعا کرو تو اس طرح مت کہو کہ اے اللہ !اگر تو چاہے تو بخش دے، بلکہ پختہ عزم اور ارادے کے ساتھ اللہ سے مانگو''۔

ایک دوسری روایت میں ہے:اُدْعُوا اللّٰہَ وَأَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بَالْإِجَابَۃِ ۔(**ترمذی**:باب قول النبی ﷺ عجلت أیھاالمصلی:3816)**''اس یقین کے ساتھ دعا کرو کہ وہ ضرور قبول کرے گا''۔**

یقین کے ساتھ دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ شیطان کی بھی سنتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنے دربار سے دھتکار دیا تو اس نے دعا کی:اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔(**الأعراف**: 14) **'' مجھے تو اس دن تک مہلت دے جب سب اٹھائے جائیں گے''۔اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور کہا:** اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۔(**الأعراف**:15)**''بے شک تجھے مہلت دے دی گئی''۔**

4۔دعا یکسوئی اور حضورِقلب کے ساتھ کرنی چاہیے:بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بے دلی سے دعا کرتے ہیں۔دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوے تو ہوتے ہیں مگر دل کہیں اور ہوتا ہے، کچھ لوگ دعا کو ایک رسم کے طور پر انجام دیتے ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰہَ لَایَسْتَجِیْبُ دُعَاءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاہٍ ۔(**ترمذی**:باب قول النبی ﷺ عجلت أیھاالمصلی:3816)**''جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے پروا شخص کی دعا کبھی قبول نہیں فرماتا۔**

5۔دعا عاجزی اور انکسار کے جذبات کے ساتھ ہونی چاہیے: اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً ۔(**الأعراف**:55)**''اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوے اور چپکے چپکے''۔**

سورۂ انبیاء میں حضراتِ انبیاء کا تذکرہ کرتے ہوے ان کی دعا کی ایک کیفیت یہ ذکر کی گئی ہے: اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَھَبًا ، وَ کَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ۔ (**الأنبیاء**:90)**''بے شک وہ لوگ خیر کے کاموں کی طرف سبقت کرتے تھے،اور ہمیں امید وبیم کی**

حالت میں پکارتے تھے اور ہمارے لیے خشوع وخضوع اختیار کرتے تھے‘‘۔

6۔دعا کرنے والے کو چاہیے کہ حلال کمائی کا التزام کرے۔دعا کی قبولیت کے لیے حلال کمائی کا اہتمام بہت ضروری ہے۔حرام کمائی کے ساتھ آدمی کتنے ہی اخلاص اور عاجزی کے ساتھ دعا کرے ،اللہ کے دربار میں وہ قبول نہیں ہوتی۔ ایک مسافر کا ذکر کرتے ہوئے جو طویل سفر کے دوران اللہ تعالیٰ سے بڑی عاجزی کے ساتھ دعا کرتا رہا،آپ نے ﷺ فرمایا کہ اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟مَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّىٰ يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ۔(**مسلم**:باب قبول الصدقة من الكسب الطيب:**2393**)’’جب کہ اس کا کھانا حرام کا ہے،اس کا پینا حرام کا ہے،اس کا پہننا حرام کا ہے اور اس کی غذا حرام کی ہے۔اب اس کی دعا کیسے قبول ہو؟

7۔ دعا کی قبولیت کے کچھ خاص اوقات ہیں ،مومن کو چاہیے کہ ان اوقات میں دعا کا اہتمام کرے ۔ احادیث میں قبولیت کے جو اوقات بتائے گئے ہیں ،ان میں سے چند یہ ہیں: **1**۔نماز اور اقامت کے درمیان کی جانے والی دعا۔(ترمذی:**212**)۔**2**۔فرض نمازوں کے بعد (ترمذی:**3838**)۔**3**۔رات کے آخری پہر کی جانے والی دعا (بخاری:**6321**) **4**۔ جمعہ کے دن ایک وقت۔ (بخاری:**6400**) **5**۔لیلۃ القدر میں (ترمذی)۔**6**۔اذان کے بعد(ابوداؤد)۔ **7**۔زم زم پینے سے قبل کی جانے والی دعا۔(ابن ماجہ)۔**8**۔سجدے کی حالت میں ۔(مسلم)**9**۔ماہِ رمضان کے مہینے میں کی جانے والی دعا(ترمذی)۔**10**۔عرفہ کے دن میدانِ عرفہ میں۔(ترمذی)

8۔دعا میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے۔اس طبعی جلد بازی کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ اس کی دعا بھی جلد قبول ہو۔اگر دعا کی قبولیت میں ذرا بھی تاخیر ہو جائے تو مایوس ہو جاتا ہے۔بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی کرنے لگتا ہے۔اس کی یہ جلد بازی آدابِ دعا کے منافی اور قبولیت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔حضرت ابوھریرۃؓ سے مروی ہے ،آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ بندے کی دعائیں قبول کرتا رہتا ہے(اگر اس کی دعا گناہ اور قطع رحمی

پر مشتمل نہ ہو) جب تک کہ وہ جلد بازی نہ کرے۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ جلد بازی کا مطلب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بندہ کہتا ہے کہ میں بار بار دعا کرتا ہوں مگر میری دعا قبول ہی نہیں ہوتی، بالآخر مایوس ہوکر دعا کرنا ہی ترک کردیتا ہے۔(مسلم:باب بیان أنہ یستجاب للداعی مالم یعجل:7110)

قبولیتِ دعا کی صورتیں : آدابِ دعا کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو بھی دعا کی جائے اللہ اسے ضرور قبول فرماتا ہے۔البتہ کسی کی دعا جلد قبول ہوتی ہے، کسی کی تاخیر سے۔حضرت موسیٰؑ نے دعا کی: رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ۔ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ۔ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ۔وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ۔ھٰرُوْنَ اَخِی۔اشْدُدْ بِہٖٓ اَزْرِیْ۔وَاَشْرِکْہُ فِیْٓ اَمْرِیْ۔ (طٰہٰ:25تا32)''اے میرے رب !میرا سینہ میرے لیے کھول دے ،تاکہ وہ لوگ میری بات سمجھیں،اورمیرے گھرانے سے میرا ایک وزیر(معاون)مقرر کردے،میرے بھائی ہارون کومقرر کردے،ان کے ذریعے میری قوت کو بڑھادے اورمیری دعوتی مہم میں ان کومیرا شریک بنادے''۔اس دعا میں موسیٰؑ نے پانچ چیزیں مانگیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا فوراً قبول کرلی،فرمایا: قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی ۔(طٰہٰ:36) ''اے موسیٰ! آپ کی مانگ پوری کردی گئی''۔

بنی اسرائیل کے تین آدمی غار میں پھنس گئے۔نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔تینوں نے پورے اخلاص کے ساتھ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کی دعا قبول فرمائی''۔(بخاری:باب اذااشتری شیئا لغیرہ بغیر اذنہ فرضی:2215)

اس کے برعکس کبھی دعا کی قبولیت میں تاخیر ہوتی ہے۔حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ ۔(البقرۃ:129)''اوراے ہمارے رب!انہی میں سے ایک رسول ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرما، جو تیری آیتیں انھیں پڑھ کر سنائے ،اورانھیں قرآن وسنت کی تعلیم دے،اورانھیں پاک کرے''۔آپؑ کی یہ دعا ہزاروں سال بعد قبول ہوی۔آپؑ کی اس دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے

حضرت محمد ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: أَنَـا دَعْـوَةُ أَبِـی اِبْرَاهِیْمَ ۔(صحیح الجامع الصغیر: 2343)''میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہوں''۔حضرت ابراہیمؑ اور حضرت زکریاؑ نے اولاد کے لیے دعا کی تو ایک مدت بعد اللہ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں۔

مومن کی بعض دعائیں اس دنیا میں قبول نہیں ہوتیں۔خود اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: سَأَلْتُ رَبِّی ثَلَاثًا،فَأَعْطَانِی اثْنَتَیْنِ وَمَنَعَنِی وَاحِدَةً ۔(صحیح الجامع الصغیر:3593)''میں نے اپنے رب سے تین دعائیں مانگیں،اس نے میری دو دعائیں قبول کیں اور ایک دعا کو رد کر دیا''۔

کتنے ہی انبیاء کرامؑ کی دعائیں رد کر دی گئیں۔حضرت نوحؑ کی دعا اپنے نافرمان بیٹے کے حق میں،(ھود:45)حضرت ابراہیمؑ کی دعا اپنے مشرک باپ کے حق میں(التوبۃ: 114)اور رسول آخر الزماں کی دعا منافقین کے حق میں رد کر دی گئی۔(التوبۃ:80)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو قبول نہیں کرتا جو اس کی مرضی اور مصلحت کے خلاف ہوں۔

دعاؤں کی قبولیت کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔1۔ایک یہ کہ انسان کو اس کی مطلوبہ چیز عطا کر دی جاتی ہے۔2۔دوسری صورت یہ کہ دعا کے برابر کوئی آنے والی مصیبت ٹال دی جاتی ہے۔3۔تیسری یہ کہ اس کا اجر وثواب آخرت کے لیے ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔(صحیح الترغیب والترھیب:1633)

اھل ایمان سے دعا کی درخواست کرنا : دعا انسان کے گناہوں کی بخشش اور درجات کی بلندی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔کس کی دعا میں کیا تاثیر ہے،کوئی نہیں جانتا۔اس لیے مومن کو چاہیے کہ اپنے حق میں خود بھی دعا کرے اور ساتھ ہی دوسروں سے بھی دعا کی درخواست کرے۔خود آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ افضل البشر اور مستجاب الدعوات ہونے کے باوجود دوسروں سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو عمرہ پر روانہ کرتے ہوئے یہ درخواست فرمائی:''اے عمر!مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا''۔(ابوداؤد:باب الدعاء: 1500)

آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا: اویس قرنی (تابعی) سے ملاقات ہو تو ان سے دعا کی درخواست کرو۔(مسلم: باب من فضائل أویس القرنی) اویس قرنیؒ یمن کے رہنے والے تھے، موسمِ حج میں جب بھی کوئی قافلہ یمن سے مکہ آتا تو حضرت عمرؓ اہلِ قافلہ سے اویس قرنیؒ کے بارے میں دریافت کرتے۔ ایک مرتبہ موسمِ حج میں اویس قرنیؒ سے ملاقات ہوگئی تو آپؓ نے ان سے دعا کی درخواست کی۔(مسلم: باب من فضائل أویس القرنی)

صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے اکثر دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت عکاشہؓ نے یہ فضیلت سنی تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ میرا شمار بھی ان لوگوں میں فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان میں سے ہو‘۔(مسلم: باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنة بغیر حساب و لاعذاب: 542)

اہلِ ایمان کے حق میں دعا کرنا : ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی یاد رکھے اور ان کے حق میں دعاے خیر کرے۔ اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے سے پہلے گزرے ہوئے مومن بھائیوں کے لیے دعاے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔(الحشر: 11)

رسول اکرم ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ کرامؓ کی دینی خدمات سے خوش ہوتے تو انھیں اسی متاعِ گراں بہا ”دعا“ کا ہدیہ عنایت فرماتے۔ جنگِ تبوک کے موقع پر دورانِ سفر خورد و نوش کا سامان ختم ہوگیا۔ حضرت عثمانؓ نے سامان سے لدے ہوئے بے شمار اونٹ مہیا کیے۔ رسول اکرم ﷺ نے خوش ہو کر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور تین دفعہ یہ دعا فرمائی: یا اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں، تو بھی عثمانؓ سے راضی ہوجا۔ پھر صحابہ کرامؓ سے فرمایا: تم بھی عثمان کے حق میں دعا کرو‘۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی اسلام کے لیے خدمات بڑی مخلصانہ اور فداکارانہ تھیں۔ جنگِ احزاب میں زخمی ہونے کی وجہ سے شہید ہوئے تو رسول اکرم ﷺ کو شدید صدمہ ہوا۔ اپنے جاں نثار صحابی

کا سر زانوئے مبارک پر رکھ لیا اور دل کا رنج وغم درج ذیل دعائیہ الفاظ میں ڈھل گیا: ''الٰہی! تیری راہ میں سعدؓ نے بڑی زحمت اٹھائی۔اس نے تیرے رسول ﷺ کی تصدیق کی اور حقوقِ اسلام ادا کیے۔الٰہی! تو اس کی روح کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرما جیسا تو اپنے دوستوں کی روح کے ساتھ کرتا ہے''۔(دعا کے مسائل: از مولانا محمد اقبال کیلانی، 12،11)

یہ ہیں دعا کے چند آداب اور مسائل۔اللہ ہمیں ان آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے دعاؤں کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

میرؔ بندوں سے کام کب نکلا؟
مانگنا ہے جو کچھ، خدا سے مانگ

توکل علی اللہ کی حقیقت

ایمان باللہ کے نتیجے میں انسان کے اندر جو اوصاف پیدا ہوتے ہیں، ان میں سے ایک اہم وصف توکل علی اللہ ہے۔ توکل، ایمان باللہ کا لازمی اور بنیادی تقاضا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سے فرماتے ہیں: یٰقَوۡمِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ فَعَلَيۡهِ تَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِيۡنَ ۔(یونس:83) ''اے میری قوم کے لوگو! اگر تم واقعی ایمان لے آئے ہو تو پھر اسی پر بھروسا کرو، اگر تم مسلمان ہو''۔

اس آیت میں توکل کو اسلام اور ایمان کی صحت کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ توکل نصف ایمان ہے۔

توکل علی اللہ عبادت ہے۔ جس طرح اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت جائز نہیں، اسی طرح غیراللہ پر بھروسا کرنا بھی حرام ہے۔ اگر ایسی چیزوں میں غیراللہ پر بھروسہ کیا جائے، جن پر وہ قادر نہیں، مثلاً: مردوں سے یا پیروں اور ولیوں سے شفایابی کی، رزق کی، اللہ کے دربار میں سفارش کی اور ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کی امید رکھنا۔ وغیرہ، تو یہ شرک اکبر ہے۔

توکل علی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر معاملے میں اللہ ہی پر بھروسا کیا جائے، اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ہر کام اللہ کے حکم اور مرضی سے ہی ہوتا ہے۔ رزق اتنا ہی ملتا ہے جتنا اللہ نے مقدر کیا ہے ۔نعمتیں وہی ملتی ہیں جو وہ نوازنا چاہے۔ عزت اور ذلت کا مالک تنہا وہی ہے۔ کوئی نہ عزت عطا کرسکتا ہے اور نہ ذلت ۔وہ فائدہ پہنچ کر رہے گا جو اللہ ہمیں پہنچانا چاہے ۔اس نقصان کو کوئی دور نہیں کرسکتا جو اللہ تعالیٰ ہماری تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۔(التوبۃ:51) ''آپ کہہ دیجیے کہ ہم تک وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہماری قسمت میں لکھ دیا ہے۔ وہ ہمارا آقا ہے اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے''۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ پر بھروسا کرنے کے نام پر کوشش اور محنت ترک کردیں کہ اگر اللہ چاہے تو ہمیں رزق عطا کرے گا، بلکہ توکل کا مطلب ہی یہ ہے کہ پوری کوشش اور محنت کے بعد اور وسائل وذرائع اپنانے کے بعد فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیں۔محنت اور کوشش کے بعد اسی پر بھروسا کریں کہ رزق وہی عطا کرنے والا ہے۔ علاج کے بعد اسی پر توکل کریں کہ اگر وہ چاہے تو یہ بیماری دور ہوگی۔تدبیر اور کوشش کے بعد ہمارے حصہ میں جو بھی آئے اسے اللہ کا فیصلہ سمجھیں اور اس سے راضی ہوں، یہی توکل علی اللہ کا تقاضا ہے۔

وسائل وذرائع اپنانا توکل کے منافی نہیں : بعض لوگ وسائل وذرائع اپنانے کو توکل کے منافی سمجھتے ہیں، جب کہ یہ غلط نظریہ ہے۔ایک شخص کو توکل کا مطلب سمجھاتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:اِعۡقِلۡهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ۔(ترمذی:باب قول النبی:اعقلھا وتوکل علی اللہ :**2707**)''پہلے اپنا اونٹ باندھ دو، پھر اللہ پر بھروسہ کرو''۔

راہِ حق میں جہاد سب سے افضل عمل ہے۔اس راہ میں بھی اسباب ووسائل اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ ۔(الأنفال:**60**)''اور کافروں کے مقابلے کے لیے ہر ممکن طاقت اور فوجی گھوڑوں کو تیار کرو''۔

اللہ پر سب سے زیادہ بھروسا کرنے والے انبیاء کرامؑ ہیں۔ان کا حال یہ تھا کہ وہ خود بھی پہلے تدابیر اختیار کرتے، پھر معاملہ اللہ کے حوالے کرتے۔حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی اور دودھ پیتے بچے کو اللہ کے حکم سے جنگل میں چھوڑ دیا، جہاں نہ آبادی تھی، اور نہ زندگی گزارنے کے وسائل تھے۔محض اللہ پر توکل کرتے ہوئے انھوں نے یہ جرأت مندانہ اقدام کیا۔ساتھ ہی ایک تھیلے میں کچھ کھجور اور ایک مشکیزے میں پانی ان کے پاس رکھ دیا، اور پھر اللہ سے دعا کی:رَبَّنَا اِنِّىۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِىۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُوۡنَ ۔(ابراھیم:**37**)''اے ہمارے رب! میں

نے اپنی بعض اولاد کو تیرے بیتِ حرم کے پاس ایک وادی میں بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے۔اے ہمارے رب! میں نے ایسا اس لیے کیا ہے تا کہ وہ نماز قائم کریں،اس لیے تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دے،اور بطورِ روزی انھیں انواع واقسام کے پھل بھی عطا کر،تا کہ وہ تیرا شکر بجالا سکیں''۔ جب واپس ہونے لگے تو فرماں بردار بیوی نے پوچھا: کہاں جارہے ہیں؟اس جنگل و بیابان میں ہمیں کس کے حوالے کر کے جارہے ہیں؟ ابراہیمؑ جواب دیے بغیر آگے بڑھتے رہے۔پھر وفا شعار بیوی نے پوچھا: کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ابراہیمؑ نے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔حضرت ہاجرہؑ نے کہا:تب تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا''۔(بخاری:باب قول الله :واتخذالله ابراهیم خلیلا)

ابراہیمؑ نے اللہ کی ذات پر بھروسا کر کے اپنی بیوی بچے کو جنگل میں چھوڑنے کا فیصلہ کیا، یہ ان کا توکل تھا۔ساتھ ہی انھوں نے اپنی استطاعت کے مطابق وسائلِ زندگی بھی مہیا کیے، کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے بیٹے قحط کے زمانے میں غلہ لانے کے لیے جب مصر روانہ ہونے لگے تو انھوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۔(یوسف:67)''میرے بیٹو!تم سب ایک دروازے سے نہ داخل ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا''۔الگ الگ دروازے سے داخل ہونے کے اس حکم کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:اِنَّهُ خَشِيَ عَلَيْهِمُ الْعَيْنَ وَذٰلِكَ اَنَّهُمْ كَانُوْا ذَوِيْ جَمَالٍ وَهَيْئَةٍ حَسَنَةٍ ۔انھیں اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کے بچوں کو نظر نہ لگ جائے، کیوں کہ وہ بہت ہی خوب رو تھے۔(ابن کثیر:تفسیر سورۂ یوسف:67)

اس تدبیر کو اختیار کرنے کے باوجود وہ کہتے ہیں: وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۔(یوسف:67)''اور اللہ کی طرف سے کسی مقدر حکم کو میں تم سے نہیں ٹال سکتا۔ہر حکم اور فیصلہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔میں

نے اسی پر بھروسا کیا ہے اور بھروسا کرنے والوں کو صرف اسی پر بھروسا کرنا چاہیے''۔

جس طرح اسباب کو ترک کرنا توکل نہیں ہے، اسی طرح اسباب پر پوری طرح انحصار کر لینا بھی توکل کے خلاف ہے۔ جب بھی مسلمانوں نے اسباب پر انحصار کیا، اللہ کی ذات پر ان کے توکل میں کمی آئی۔ انھیں نقصان اٹھانا پڑا اور شکست اور ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ جنگِ حنین میں مسلمانوں کی تعداد اور جنگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ اسبابِ جنگ بھی وافر مقدار میں تھے، جس کی بنا پر وہ اس غفلت میں مبتلا ہو گئے کہ اس جنگ میں انھیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ جنگ ہوی تو ان کی امیدوں کے برخلاف فتح کی بجائے ابتدا میں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ نے ثابت قدمی پر ابھارا تو انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ پھر دوبارہ جم کر لڑے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب کی۔ اس وقتی شکست کی وجہ بیان کرتے ہوے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۔(التوبۃ :25)''اللہ تعالیٰ نے بہت سی جگہوں میں تمھاری مدد کی، غزوۂ حنین کے دن جب تمھاری کثرت نے تمھارے اندر عُجب پیدا کر دیا تھا، لیکن وہ تمھارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوے''۔

توکل علی اللہ، یہ وہ صفت ہے جو مومن کے اندر مصائب و مشکلات کا سامنا کرنے کا حوصلہ اور جذبہ پیدا کرتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو ان کی زبان پر توکل کے یہ الفاظ تھے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔(بخاری: باب اِن الناس قد جمعوا لکم..)''اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے''۔

جنگِ احد میں مسلمانوں کو سخت نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ ستر صحابہؓ شہید ہوے اور اتنے ہی زخمی ہوے، اور خود اللہ کے رسول ﷺ کو بھی سخت چوٹیں آئیں۔ مسلمان ان حالات سے پریشان تھے کہ مسلمانوں میں مزید خوف و ہراس پھیلانے کی غرض سے مکہ کے سردار ابوسفیان نے کہلا بھیجا کہ وہ

مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنا چاہتے ہیں ۔ اس سے خوف کی بجائے مسلمانوں کے توکل اور ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوا۔ سورہ آل عمران میں مسلمانوں کی اسی ایمانی کیفیت کا ذکر کرتے ہوے فرمایا گیا: اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔(آل عمران:173)''جن سے لوگوں نے کہا کہ کفار تم سے جنگ کے لیے جمع ہو گئے ہیں اور تم ان سے ڈر کر رہو، تو اس خبر نے ان کا ایمان بڑھا دیا اور انھوں نے کہا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے''۔

جنگِ احزاب کے موقع پر حالات اس سے بھی زیادہ سنگین تھے۔ مدینہ کے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے سارا عرب امنڈ پڑا تھا، اور مدینہ کے یہودی بھی عہد شکنی کر کے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کی جو دلی کیفیت تھی، اس کا حال ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۔(الأحزاب:9،10)''جب دشمن تم پر چڑھ آئے، تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے سے، اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور دل گلے تک پہنچ گئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں مختلف قسم کے گمان کرنے لگے۔ اس موقع سے مومنین بڑی آزمائش میں ڈالے گئے اور پوری شدت کے ساتھ جھنجھوڑ دیے گئے''۔

مگر مسلمان گھبرائے نہیں، بلکہ ان حالات نے ان کے توکل اور ایمان میں اضافہ ہی کیا، جیسا کہ فرمایا گیا: وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ۔(الأحزاب:22)''اور جب مومنوں نے دشمنوں کی فوجوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو وہی چیز ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اور اس بات نے تو ان کے ایمان اور جذبۂ اطاعت

کواور بڑھادیا''۔

مادی وسائل میں اتنی طاقت نہیں ہوتی جتنی طاقت توکل علی اللہ میں ہے۔توکل کی صفت جس کو حاصل ہوجائے وہ اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو زیر کرسکتا ہے۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک جنگ سے واپسی کے دوران مجاہدین قیلولہ کرنے کے لیے درختوں کے نیچے لیٹ گئے۔ایک دشمن آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کی تلوار قبضے میں لے کر کہنے لگا: مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ يَا مُحَمَّدُ! محمد! بتاؤ،اب تمھیں کون بچاسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے تین مرتبہ بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا: اللہ۔تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔آپ ﷺ نے اپنی وہ تلوار لے کر پوچھا کہ اب بتاؤ،تمھیں کون بچائے گا؟ وہ آپ ﷺ سے معافی چاہتے ہوئے جان بخشی کی درخواست کرنے لگا۔آپ ﷺ نے اسے معاف کردیا۔وہ اپنی قوم کے پاس جا کر کہنے لگا: جِئْتُكُمْ مِّنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ ۔''میں تمھارے پاس دنیا کے سب سے بہتر آدمی کے پاس سے آرہا ہوں''۔(مشکاۃ المصابیح: باب التوکل والصبر)

توکل علی اللہ نصرتِ الٰہی کا اہم سبب ہے۔جہاں انسان کو سارے مادی اسباب ٹوٹتے نظر آئیں، وہاں اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ کی ذات پر بھروسا کرنا چاہیے۔ایسے متوکلین کو اللہ تعالیٰ بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا بلکہ ان کی ضرور مدد کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔(آل عمران:160)''اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمھارا ساتھ چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمھاری مدد کرے گا؟ اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے''۔

اللہ کی ذات پر سب سے زیادہ بھروسا کرنے والے انبیاے کرامؑ ہوتے ہیں۔جب وہ آزمائشی حالات سے دوچار ہوتے ہیں تو گھبراتے نہیں بلکہ پورے یقین کے ساتھ انھوں نے کہا کہ ان حالات میں اللہ ہماری ضرور مدد فرمائے گا۔حضرت موسیٰؑ اللہ کے حکم سے اپنی قوم کو لے کر راتوں رات

مصر سے روانہ ہوے۔فرعون کواطلاع ہوی توان کوگرفتارکرنے کے لیے اپنی فوج کے ساتھ نکل پڑا۔اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ موسیٰؑ راستہ بھول کرایسے راستے پر چل پڑے جہاں آگے سمندر تھا۔پیچھے کی طرف مڑے تو فرعون اپنے لاؤلشکر کے ساتھ آتا ہوانظر آیا۔قومِ موسیٰؑ نے جب یہ حالت دیکھی کہ ایک طرف سمندر ہے اور دوسری طرف فرعون کا لشکر، تو موسیٰؑ سے کہنے لگے: اب تو بُری طرح پھنس گئے۔(الشعراء: 61) اللہ کی ذات پر حضرت موسیٰؑ کا توکل دیکھیے، پورے اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں: كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۔(الشعراء: 62)''ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ ضرور میری مدد کرے گا''۔اسی توکل کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کے لیے سمندر میں راستہ بنایا اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کردیا۔

حضرت ہودؑ نے جب اپنی قوم کو دینِ حق کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے: لگتا ہے کہ ہمارے معبودوں نے تمھیں کسی بیماری میں مبتلا کردیا ہے، جس کی وجہ سے تم بہکی بہکی باتیں کررہے ہو۔حضرت ہودؑ نے جو جواب دیا، وہ توکل علی اللہ کی اعلیٰ مثال ہے، فرمایا: اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۔(ھود: 54 تا 56)''میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم لوگ بھی گواہ رہو کہ میں تمھارے شرکاء سے قطعاً بری ہوں، جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، تو تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرلو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو، میں نے اس اللہ پر بھروسا کیا ہے جو میرا اور تم سب کا رب ہے''۔

مکہ میں تیرہ سالہ آزمائشی زندگی گزارنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے حکم سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے۔حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے رفیقِ سفر تھے۔مکہ والوں کو سفر کی بھنک لگی تو انھوں نے آپ ﷺ کی تلاش شروع کردی۔آپ ﷺ مکہ سے نکل کر غارِ ثور میں پناہ گزیں ہوے۔دشمن آپ ﷺ کو تلاش کرتے ہوے غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ گئے۔حضرت ابوبکرؓ پریشان ہوکر کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر یہ ذرا نیچے کی طرف نظر کریں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔اللہ کے رسول ﷺ نے اس

کٹھن گھڑی میں بھی پورے اطمینان کے ساتھ جواب دیا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۔ (التوبہ:40)''غم نہ کیجیے، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: یَا اَبَابَكْرٍ! مَاظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اَللّٰهُ ثَالِثُهُمَا ۔(مسلم:باب فضائل ابی بکر الصدیق: 6319)''اے ابوبکرؓ! تمھارا کیا خیال ہے؟ ان دو اشخاص کے بارے میں جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے''۔(کیا اللہ ہمیں ضائع کردے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں)

توکل کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق میں برت عطا فرماتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لَوْ اَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا ۔(ابن ماجہ: کتاب الزھد: باب التوکل والیقین: 4303)''اگر تم اللہ پر ویسے ہی بھروسا کرو جیسا بھروسا اس پر کرنا چاہیے تو وہ تمھیں بھی اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو عطا کرتا ہے کہ وہ صبح سویرے خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شام کے وقت آسودہ حال واپس ہوتے ہیں''۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ توکل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان کے سارے مسائل حل کر دیتا ہے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔(الطلاق:3)''اور جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو وہ اس کو کافی ہو جاتا ہے''۔

چوتھا اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسے متوکلین کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کرے گا۔ایک موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: میری امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے،...پھر آپ ﷺ نے ان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: هُمُ الَّذِيْنَ لَايَسْتَرْقُوْنَ وَلَايَرْقُوْنَ وَلَايَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۔(مسلم: باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنة بغیر حساب ولا عذاب: 547) ''یہ وہ لوگ ہیں جو جھاڑ پھونک کرتے ہیں، نہ منتر کرواتے ہیں اور نہ بدشگونی لیتے ہیں، بلکہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں''۔

موجودہ دور میں توکل کے باب میں بڑی بے اعتدالی پائی جاتی ہے۔ایک طبقہ وہ ہے جو صرف اپنے دست وبازو پر بھروسا کرتا ہے۔اس کے پاس توکل کوئی معنے نہیں رکھتا۔دوسرا طبقہ وہ ہے جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے کو توکل سمجھتا ہے۔ یہ دونوں ہی چیزیں غلط ہیں۔ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنی جملہ صلاحیتوں کو کام میں لاکر بساط بھر محنت کرے اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔اُس کا ایمان ہو کہ کوشش کرنا انسان کا کام ہے اور کوشش کو کامیابی سے ہم کنار کرنا اللہ کی قدرت ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توکل کے صحیح مفہوم کو سمجھنے اور اس کو صفت کو اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

صبر اور اس کی قسمیں

صبر اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔اس کو دین میں وہی مقام حاصل ہے جو مقام کہ جسم میں سر کو حاصل ہے۔وہ مومن نہیں جو صابر نہیں۔راہِ حیات میں قدم قدم پر انسان کو صبر وتحمل کی ضرورت پڑتی ہے،اسی لیے اہل ایمان کو اس سے متصف ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔صبر کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں 90/سے زائد مقامات پر صبر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (البقرۃ:153)
''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو،بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

صبر اہل ایمان کی امتیازی صفات میں سے ہے۔فرمایا گیا:اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ۔(آل عمران:17)''(سچے مومن وہ ہیں) جو صبر کرنے والے،سچ بولنے والے،خاک ساری اختیار کرنے والے،اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی (تہائی) رات میں اللہ سے مغفرت مانگنے والے ہوتے ہیں''۔

صبر عطیۂ ربانی ہے۔اس سے افضل اور بہتر کوئی عطیہ نہیں۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:مَا أُعْطِیَ أَحَدٌ عَطَاءً خَیْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ (مسلم:باب فضل التعفف والصبر: 2471)''کسی بھی شخص کو صبر سے بہتر اور کشادہ عطیہ نہیں عطا کیا گیا''۔

زندگی کی تاریک راہوں میں صبر مشعلِ راہ اور مینارۂ نور کا کام دیتا ہے۔اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:اَلصَّبْرُ ضِیَاءٌ۔''صبر روشنی ہے''۔(مسلم:باب فضل الوضؤ:556)

حضرت عمرؓ کا قول ہے: وَجَدْنَا خَیْرَ عَیْشِنَا بِالصَّبْرِ۔''ہم نے زندگی کا عیش وآرام اور سکون وراحت صبر میں پایا''۔(بخاری معلقا:باب الصبرعن محارم اللہ...)

یہ وہ لازوال وصف ہے جس کو اپنانے پر اللہ تعالیٰ اس دنیا کی سیادت وقیادت عطا فرماتا

ہے ۔ بنی اسرائیل ایک مدت تک فرعون کے ظلم وستم کا شکار رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا کی حکومت وسلطنت عطا کی۔ اس کی وجہ سورۂ سجدہ میں یہی صبر بتائی گئی: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۔(السجدہ:24)''اور جب انھوں نے دین کی راہ میں تکلیف واذیت پر صبر کیا تو ہم نے ان میں بہت سے رہ نما پیدا کیے''۔

آخرت میں اس وصف سے متصف لوگوں کو بے حد وحساب اجر وثواب سے نوازا جائے گا: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔(الزمر:10)''بے شک اللہ کی راہ میں صبر کرنے والوں کو ان کے صبر کا بے حساب اجر دیا جائے گا''۔

صبر کی قسمیں : اہل علم نے صبر کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

1۔اطاعت اور بندگی پر صبر : راہِ حق بڑی پُرخطر راہ ہے۔ اس کے ہر راہی کو پُرخطر وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے، مصائب ومشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، تیز وتند آندھیوں اور سرکش طوفانوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جابر وظالم فرعونوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ آزمائشوں بھری راہ ہے، اس راہ میں ابتلاء وآزمائش کی بھٹیوں میں تپایا جائے گا۔ چناں چہ فرمایا گیا: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۔(العنکبوت:2)''کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے، انھیں چھوڑ دیا جائے گا اور وہ آزمائش میں نہیں ڈالے جائیں گے؟''۔

حضرت خباب بن ارتؓ سے مروی ہے کہ پریشانیوں کی تاب نہ لاکر وہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ سے کہنے لگے: کیا آپ ﷺ ہمارے لیے اللہ سے دعا نہیں کرتے؟ یہ سننا تھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہوگیا، آپ ﷺ کعبۃ اللہ کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، سیدھے ہوکر بیٹھ گئے، اور فرمایا: ''تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، انھیں تم سے زیادہ تکلیفیں دی گئیں۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت اتار لیے گئے اور آرے سے ان کے جسم کے دو حصے کردیے گئے، لیکن یہ چیز انھیں دینِ حق سے پھیر نہ سکی۔ پھر آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا: یہ دین غالب آکر رہے گا یہاں تک کہ ایک

مسافر صنعاء سے حضر موت تک تنہا سفر کرے گا۔ اسے اللہ کے علاوہ کسی اور کا ڈر نہیں ہوگا لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو‘‘۔(صحیح بخاری: باب مالقی النبی ﷺ وأصحابہ من المشرکین بمکۃ: 3852)

اس راہ کی مشکلات کو جھیلنے کے لیے صبر وتحمل کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر اس راہ میں کامیابی ممکن نہیں۔ اسی لیے اہلِ ایمان کو صفتِ صبر سے متصف ہونے پر زور دیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا گیا: لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (آل عمران: 186) ’’تمھیں یقیناً تمھارے مالوں اور جانوں میں آزمایا جائے گا، اور تم یقیناً ان لوگوں کی جانب سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکین کی جانب سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے، اور اگر تم صبر کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے تو بے شک یہ ہمت وعزیمت کا کام ہے‘‘۔

رسول اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کو جب بھی مشکلات میں گھرا دیکھتے تو انھیں صبر وتحمل ہی کی تلقین فرماتے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کا گزر حضرت عمارؓ اور ان کے اہلِ خانہ پر سے ہوا۔ انھیں تکلیفیں دی جارہی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کو خطاب کرکے فرمایا: صَبْرًا آلَ يَاسِرٍ فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ۔ (فقہ السیرۃ) ’’یاسر کے خاندان والو! صبر کرو، تمھارا ٹھکانا جنت ہے‘‘۔

مومن کی انفرادی زندگی کی طرح اجتماعی زندگی میں بھی صبر کی ضرورت پڑتی ہے، بلکہ اجتماعی زندگی میں اس کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے۔ کیوں کہ مسلمان اگر اپنی اجتماعی زندگی میں بے صبری کا مظاہرہ کریں تو اس کا نقصان پوری امت کو اٹھانا پڑتا ہے۔ سورۂ عصر میں اسی اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اس سورت میں نہ صرف صبر کی تعلیم دی گئی بلکہ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنے کا حکم دیا گیا، اور اس کو کامیاب زندگی کے رہ نما اصولوں میں شمار کیا گیا۔

دشمنانِ اسلام ہر دور میں مسلمانوں کو مشتعل کرنے، ان کی دینی غیرت وحمیت کو ٹھیس

پہنچانے اوران کے ملی جذبات کوبھڑکانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ایسے موقعوں پر جب بھی مسلمانوں نے بے صبری کا مظاہرہ کیا،انھیں نقصان ہی اٹھاناپڑا،جیسا کہ موجودہ دور میں دیکھا جارہاہے۔اعدائے اسلام کبھی قرآن مجید کی بےحرمتی کرکے،کبھی شانِ رسول ﷺ میں گستاخی کرکے اورکبھی اسلامی تعلیمات وشعائر کامذاق اڑاکرمسلمانوں کے جذبات کومشتعل کرتے رہتے ہیں۔ان موقعوں پرمسلمان ردعمل میں بےصبری کامظاہرہ کرکے جوجانی اور مالی نقصان ماضی میں اٹھاچکے ہیں، وہ کسی سےمخفی نہیں۔ایسے موقعوں پر غیرقانونی اورغیراخلاقی حرکتوں سے اجتناب کرتے ہوئے منصوبہ بندکوشش اورحکیمانہ تدبیر کےساتھ ساتھ''صبروضبط'' کواپنانابےحدضروری ہے۔یہی وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعے دشمنوں کو شکست دی جاسکتی ہے اورا ن کے ناپاک منصوبوں کوخاک میں ملایاجاسکتاہے۔ اللہ تعالیٰ کاارشادہے:وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۔(آل عمران:120)''اوراگرتم صبرکرتے رہوگےاوراللہ سے ڈرتے رہوگے توان کامکروفریب تمھیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچاسکے گا''۔اورصبر ہی کی صورت میں اہلِ ایمان اللہ کی مدد کے مستحق ہوسکتے ہیں،جیساکہ آپ ﷺ کاارشادہے:اِعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَمَعَ الصَّبْرِ ۔(السلسلۃ الصحیحۃ:2382)''جان لوکہ اللہ کی مددصبرکےراستے سےہی آتی ہے''۔

راہِ دعوت میں صبر : دعوت وتبلیغ اورابتلاوآزمائش لازم وملزوم ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دوسری ہی وحی میں جب آپ ﷺ کوانذاروتبلیغ کاحکم دیاگیاتوساتھ ہی اس راہ میں پیش آنے والی آزمائشوں پرصبرکرنے کاحکم بھی دیاگیا: وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۔(المدثر:7)''اوراپنے رب کی خاطر صبرکیجیے''۔

اس راہ میں انتہائی صبرکی ضرورت ہے۔کہیں ایسانہ ہوکہ راہِ حق کاداعی پست ہمت ہوکراپنے فرضِ منصبی کوترک کردے۔قرآن مجید میں انبیاے سابقین کی دعوت،اس راہ میں ان کی قربانیوں اورایذارسانیوں پران کےصبرکے واقعات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں،تاکہ داعی بھی اپنےاندراسی طرح کاصبرپیداکرے۔چناں چہ آپ ﷺ کوخطاب کرکےفرمایاگیا: فَاصْبِرْ كَمَا

صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۔(الاحقاف:35)''پس اے نبی! صبر کیجیے جیسا کہ اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا اوران کے لیے عذاب کی جلدی نہ کیجیے''۔

راہِ دعوت میں آپ ﷺ کا مثالی صبر : دعوت وتبلیغ کی راہ میں دشمنانِ اسلام نے آپ ﷺ کو ہر طرح سے ستایا۔آپ ﷺ کو برا بھلا کہا، مذاق اڑایا، جملے کسے، طعنے دیے، جادوگر، پاگل اور جھوٹا کہا، تکلیفیں دیں، قتل کرنے کی ناپاک کوششیں کیں، گھر باراور وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ان تمام بدسلوکیوں کا جواب آپ ﷺ نے صبر وتحمل سے دیا۔آپ ﷺ کی دعوتی زندگی کا وہ دن بھلایا نہیں جاسکتا، جب آپ ﷺ نے مکہ والوں سے مایوس ہوکر طائف کا رخ کیا اور وہاں کے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کی بات ماننے سے انکار کردیا، بلکہ شہر کے اوباشوں کو آپ ﷺ کے خلاف اکسایا۔انھوں نے جو آپ ﷺ پر اس قدر پتھر برسائے کہ جسم لہولہان ہوگیا، اور آپ ﷺ بے ہوش ہوگئے۔ہوش آیا تو اللہ کے حکم سے حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کے پاس آئے۔ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا۔وہ آپ ﷺ سے یہ گزارش کرنے آئے تھے کہ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو وہ اہلِ طائف کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالیں۔آپ ﷺ نے ان کی اس پیش کش کو قبول نہیں کیا، بلکہ صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھرائے گی''۔(بخاری: باب إذا قال أحدکم آمین،والملائکة...:3231)

2.صبر کی دوسری قسم ترکِ معاصی پر صبر : یعنی نفس کو برائیوں سے روکے رکھنا اور گناہ کے مواقع میسر ہونے کے باوجود گناہ سے باز رہنا۔

جس شخص کے دل میں اللہ کا ڈر اور روزِ قیامت جواب دہی کا خوف ہو اس کے لیے گناہوں سے باز رہنا اور ترکِ معاصی پر صبر کرنا دشوار نہیں۔ایسا شخص گناہ کے مواقع پانے کے باوجود گناہ کی طرف قدم نہیں بڑھاتا، بلکہ ہر ممکن طریقے سے اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے۔صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کے تین اشخاص نے سخت بارش

اور آندھی کی وجہ سے ایک غار میں پناہ لی۔ ایک بڑی چٹان نے غار کا دہانہ بند کر دیا۔ ایک نے کہا کہ اس چٹان سے نکلنے کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ ہر کوئی اپنے نیک عمل کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کرے۔ ان میں سے ایک نے اس طرح دعا کی: اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ میری چچازاد بہن تھی، جس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ میں نے بارہا اس کو بدکاری کی دعوت دی مگر وہ آمادہ نہیں ہوی۔ ایک مرتبہ اسے رقم کی شدید ضرورت لاحق ہوی تو وہ میرے پاس قرض طلب کرنے کے لیے آئی ۔ میں نے اس شرط پر مطلوبہ رقم عطا کی کہ وہ میری ہوس پوری کرے گی۔ اس نے مجبوری میں میری شرط منظور کر لی۔ جب میں خلوت میں اس کے قریب ہوا تو اس نے کہا: اِتَّقِ اللّٰہَ وَلَاتَفُضُّ الْخَاتَمَ اِلَّا بِحَقِّہٖ۔ اللہ سے ڈرو، غلط طریقے سے اپنی خواہش پوری نہ کرو، (اس کی زبان سے یہ الفاظ سننا تھا کہ دل پر ایسا خوف طاری ہوا کہ) میں نے (موقع پانے کے باوجود محض تیرے ڈر کی وجہ سے اس معصیت کو) ترک کر دیا اور قرض بھی معاف کر دیا۔ اے میرے رب! میں نے یہ کام اور ترکِ معصیت پر صبر اگر تیری رضا کے لیے کیا ہے تو اس چٹان کو ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو ہٹا دیا۔ وہ سب غار سے صحیح سلامت نکل گئے''۔ (بخاری: باب حدیث الغار: 3465)

حضرت یوسفؑ کو بھائیوں نے حسد کی بنا پر کنویں میں ڈال دیا۔ راہ گیروں نے انھیں وہاں سے نکال کر مصر کے بازار میں فروخت کر دیا۔ عزیزِ مصر نے انھیں خرید کر اپنا غلام بنا لیا۔ وہ بڑے خوب صورت نوجوان تھے۔ ان کے حسن و جمال اور جوانی سے متاثر ہو کر ملکۂ وقت نے محل کے سارے دروازے بند کر کے بدکاری کی دعوت دی۔ یوسفؑ ایک اجنبی ملک میں تھے۔ انھیں کوئی پہچاننے والا نہیں تھا۔ یہاں ان کی حیثیت ایک غلام کی تھی۔ ذلت و رسوائی کا کوئی ڈر بھی نہیں تھا۔ جوانی کے بھڑکتے ہوے جذبات میں پیش کش بھی ملکہ کی جانب سے ہوی تھی اور نافرمانی کی صورت میں اس نے سزا کی دھمکی بھی دی تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود حضرت یوسفؑ نے اس پیش کش کو ٹھکراتے ہوے صبر و تحمل سے کام لیا، اور اس معصیت کے ارتکاب سے بچنے کے لیے اپنے رب سے دعا کی: رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ۔ (یوسف: 33) ''میرے رب! جیل میرے نزدیک اس

گناہ سے زیادہ آسان ہے جس کی یہ لوگ مجھے دعوت دے رہے ہیں''۔

ترکِ معاصی پر صبر ایسی نیکی ہے جس پر اللہ تعالیٰ بندے کو خصوصی اعزاز واکرام سے نوازتا ہے۔ قیامت کے دن جن سات خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی سایے میں جگہ دے گا، ان میں ایک وہ بھی ہوگا جس نے ترکِ معاصی پر صبر کیا ہوگا، یعنی گناہ کا موقع ملنے کے باوجود گناہ سے باز رہا ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ أَخَافُ اللّٰهَ۔ (مسلم: باب اخفاء الصدقة: **2427**) ''وہ آدمی جسے اونچے خاندان والی حسین وجمیل عورت بدکاری کی دعوت دے، وہ اس کی دعوتِ بدکاری کو ٹھکراتے ہوئے کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں''۔

موجودہ دور پرفتن دور ہے، ہر طرف برائیاں عام ہیں، ٹی، وی، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائیل فون کا استعمال مفید کاموں سے زیادہ برائیوں اور برے کاموں کے لیے ہوتا ہے۔ ایسے پرفتن دور میں برائیوں سے باز رہنا اور گناہوں سے بچنے کے لیے صبر وضبط سے کام لینا ایمان کی دلیل ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: يَأْتِیْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِيْهِمْ عَلٰى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمَرِ۔ (السلسلة الصحيحة : **957**) ''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں دین پر ثابت قدم رہنے والا آگ کے شعلے کو ہاتھ میں پکڑنے والے کے مانند ہوگا''۔

ایک دوسری حدیث ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: اِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ لِلْمُتَمَسِّكِ فِيْهِنَّ يَوْمَئِذٍ بِمَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرُ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ، قَالُوْا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! أَوْ مِنْهُمْ؟ قَالَ: بَلْ مِنْكُمْ ۔ تم لوگوں کے بعد صبر وثبات کا ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں دین پر ثابت قدم رہنے والوں کو تم میں پچاس آدمیوں کے برابر اجر وثواب ملے گا''۔ صحابہ کرامؓ نے تعجب سے پوچھا: کیا ان میں سے پچاس آدمیوں کے برابر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تم میں سے پچاس آدمیوں کے برابر''۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: **494**)

تیسری قسم: مصائب اور مشکلات پر صبر: یہ دنیا ابتلا وآزمائش کی بھٹی ہے

۔یہاں ہرمومن کومختلف طریقوں سے آزمایاجاتاہے۔ خیرکے ذریعے بھی اورشرکے ذریعے بھی۔اچھائی کے ذریعے بھی اوربرائی کے ذریعے بھی ۔نعمتیں دے کربھی اورنعمتیں چھین کربھی۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کاارشادہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔(البقرہ:155)''اورہم تمھیں آزمائیں گےکچھ خوف وہراس اوربھوک سے اورمال وجان اورپھلوں میں کمی سے، اورصبرکرنے والوں کوخوش خبری دےدیجیے''۔

ان آزمائشوں میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہ مطالبہ کرتاہے کہ وہ صبرسے کام لیں۔ رسول اکرم ﷺ کاارشادہے: ''مومن کامعاملہ بڑاعجیب وغریب ہے۔اگراسےکوئی تکلیف لاحق ہوتی ہےتوصبرکرتاہے ۔یہ اس کےحق میں بہترہےاوراگرنعمت حاصل ہوتی ہےتواللہ کاشکربجالاتاہے ،اوریہ بھی اس کےلیےخیرہی ہے''۔(مسلم:باب المؤمن أمره كله خير:7692)

ایک صحابیہؓ نےآپ ﷺ کی خدمت میں آکرعرض کیاکہ مجھےمرگی کادورہ پڑتاہے،جس سےبعض اوقات میرےکپڑےجسم سےہٹ جاتےہیں،آپ میرےلیےدعافرمائیں کہ(اس بیماری سےنجات مل جائے)۔آپ ﷺ نےفرمایا:اِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ فَلَكِ الْجَنَّةِ وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ تَعَالىٰ أَنْ يُّعَافِيَكَ ۔اگرتم چاہتی ہوتواس تکلیف پرصبرکرو،اس کےبدلےاللہ تمھیں جنت عطاکرے گااورتم چاہتی ہوتومیں اللہ سےدعاکروں گاکہ وہ تمھیں اس بیماری سےعافیت دے۔اس نےکہا:میں صبراختیارکرتی ہوں۔البتہ آپ ﷺ اللہ سےیہ دعافرمائیں کہ جب دورہ پڑےتومیں برہنگی سےمحفوظ رہوں''۔آپ ﷺ نےاس کےلیےدعافرمائی''۔(بخاری:بـــاب فــضــل مــن يــصــرع مـن الريح:5652)

حضرت اسامہ بن زیدؓفرماتےہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بیٹی نےپیغام بھیجاکہ میرےبیٹےکا آخری وقت ہے۔آپ ﷺتشریف لائیں۔آپ ﷺ نےسلام کےساتھ یہ پیغام بھیجا:اِنَّ لِلّٰـهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ ۔''جواللہ تعالیٰ لے،وہ

بھی اسی کا ہے اور جو دے ، وہ بھی اسی کا ہے ۔اس کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے ، اس لیے انھیں چاہیے کہ صبر کریں اور ثواب کی امید رکھیں‘‘۔(بخاری:باب قول النبی یعذب المیت ببکاء أهله علیه:1284)

بڑی سی بڑی آزمائش میں بھی اللہ کے نیک بندے صبر وتحمل سے کام لیتے ہیں۔ان کی زبان پر کوئی حرفِ شکایت نہیں ہوتا ،اور نہ وہ اپنی کسی حرکت سے بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو بیماری میں مبتلا کر کے آزمایا۔اس نازک گھڑی میں انھوں نے بہت صبر کیا۔ان کے صبر کی تعریف کرتے ہوے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ۔ (ص:24)’’بے شک ہم نے ان کو صبر کرنے والا پایا تھا، وہ اچھا بندہ تھا، وہ بے شک اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا تھا‘‘۔

صبر کا اصل امتحان اولاد کے معاملے میں ہوتا ہے۔اولاد کو ذرا سی تکلیف پہنچ جائے تو انسان بے چین ہو جاتا ہے۔ باپ کے مقابلے میں ماں کا پیمانۂ صبر بہت جلد چھلک جاتا ہے،مگر اس کڑے امتحان میں بھی مومن صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہؓ کا ایک لڑکا بیمار تھا، ابوطلحہ جب سفر پر روانہ ہوے تو لڑکا فوت ہو گیا،(گھر میں ابوطلحہؓ کی بیوی ام سلیمؓ تنہا تھیں ،لختِ جگر کے چھن جانے پر انھوں نے ذرا برابر بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ صبر وضبط کا مجسمہ بنی رہیں) اتفاق سے ابوطلحہؓ اسی رات لوٹ آئے ،اور پہنچتے ہی بچے کا حال دریافت کیا۔حضرت ابوطلحہؓ سفر کی وجہ سے تھکے ہوے تھے۔ام سلیمؓ نے اس حالت میں بیٹے کی وفات کی خبر سنا کر اپنے شوہر کو اور زیادہ پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ام سلیمؓ نے جواب دیا: وہ پہلے سے کہیں زیادہ سکون واطمینان میں ہے۔ پھر اپنے شوہر کو کھانا پیش کیا۔انھوں نے سیر ہو کر کھالیا۔رات سو بھی گئے اور بیوی سے قربت بھی اختیار کی۔ جب ابوطلحہؓ فارغ ہو گئے تو ام سلیمؓ نے پوچھا: اے ابوطلحہؓ! ذرا بتلاؤ، اگر کچھ لوگ کسی گھر والوں کے پاس کوئی چیز عاریتاً دے دیں، پھر وہ اپنی چیز واپس مانگنے کے لیے آئیں تو کیا ان کے لیے جائز ہے کہ وہ دینے سے انکار کر دیں؟ حضرت ابوطلحہؓ نے جواب دیا: نہیں۔حضرت ام سلیمؓ نے

کہا:تم اپنے بیٹے کے بارے میں اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔(یعنی تمھارا بیٹا بھی ،جو اللہ ہی کا دیا ہوا تھا،اس نے اپنی امانت واپس لے لی ہے)یہ سن کر انھیں اپنی بیوی پر غصہ بھی آیا(مگر اب کیا کرتے)اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا،آپ ﷺ نے یہ سن کر دونوں کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کے لیے تمھاری اس رات میں برکت عطا فرمائے۔
(بخاری: باب من لم یظھر حزنه عند المصیبة:1301)

یہ ہے صبر کا وسیع مفہوم۔آج ہر انسان کسی نہ کسی مصیبت اور پریشانی سے دوچار ہے ، ہر طرح کی تدابیر کے باوجود مصائب ومشکلات کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا،ایسے میں ان کا مقابلہ کرنے کا واحد ایمانی ہتھیار صبر ہے،اس لیے ہر مومن کو چاہیے کہ دینی ودنیوی ہر مصیبت اور تکلیف میں صبر سے کام لے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر کی حقیقت کو سمجھنے اور مصائب ومشکلات میں صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

✦✦✦
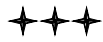
گناہوں کی بخشش کے ذرائع

انسان اشرف المخلوقات ہے۔اس کی بڑی کم زوری یہ ہے کہ اس سے ہمیشہ لغزشیں، کوتاہیاں،غلطیاں اور گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں مگر یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں۔کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کاارشاد ہے: كُـلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ ۔(ابن ماجہ:كتاب الزهد :4392)''تمام انسان خطا کار ہیں''۔

بہت سے لوگ غلطی کرنے کے بعد مایوس ہو جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے ناامیدی کا شکار ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے مومن بھائیوں کو غلط کاموں میں مبتلا دیکھ کران سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور کچھ تو انھیں کافر اور اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ایک مومن کو چاہیے کہ نہ ہی وہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے مایوس ہو اور نہ اپنے بھائیوں کو غلط کاموں میں مبتلا دیکھ کران کے بارے میں کوئی غلط رائے قائم کرنے میں جلد بازی سے کام لے، کیوں کہ اللہ تعالی مختلف طریقوں سے انسان کے گناہوں کو معاف کرتا رہتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے ایسے دس اسباب کا ذکر کیا ہے جو مومنین کے گناہوں کی بخشش اور کفارے کا ذریعہ بنتے ہیں﴿مجموع الفتاوی لابن تیمیہؒ:7/105﴾ جو حسب ذیل ہیں:

(1-2) توبہ واستغفار: مومن کے گناہوں کی بخشش کا سب سے اہم ذریعہ توبہ واستغفار ہے۔صحیح بخاری کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جب کوئی بندہ گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد اللہ کے حضور درخواست کرتا ہے کہ اے میرے رب! مجھ سے گناہ سرزد ہو چکا ہے، تو مجھے بخش دے تو اللہ تعالی فرماتا ہے: میرے بندے کو علم ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو اس کے گناہوں کو بخشنے والا اور اس کا مواخذہ کرنے والا ہے۔(پھر فرماتا ہے) میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔بندہ پھر گناہ کرتا ہے، پھر اپنے رب سے رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالی کو اس کی یہ ادا اس قدر پسند آتی ہے کہ وہی بات پھر

دہراتا ہے کہ جو چاہے کر، میں نے تجھے بخش دیا ہے''۔ (بخاری: کتاب التوحید)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک اور روایت میں ہے، رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: لَوُ لَمُ تُذُنِبُوُا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمُ وَلَجَاءَ بِقَوُمٍ يُذُنِبُوُنَ فَيَسُتَغُفِرُوُنَ اللّٰهَ فَيُغُفَرَ لَهُمُ . (مسلم: باب سقوط الذنوب بالاستغفار توبة: 7139) ''اگر تم سے گناہ سرزد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ ایک ایسی قوم کو لے آئے گا جو گناہ کرے گی، پھر اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا''۔

توبہ و استغفار کے لیے گناہ کا سرزد ہونا ضروری نہیں بلکہ یہ ایک مومن کا وظیفہ ہے جس کا ہمیشہ اہتمام کرنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا: فَسَبِّحُ بِحَمُدِ رَبِّكَ وَاسُتَغُفِرُهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا . (النصر: 3) ''آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کیجیے اور اس سے مغفرت طلب کیجیے، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے''۔

حضرت اُغر بن یسار مزنیؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوُبُوُا إِلَى اللّٰهِ فَإِنِّىُ أَتُوُبُ فِى الْيَوُمِ إِلَيْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ . (مسلم: باب استحباب الاستغفار .. :7034) ''لوگو! اللہ سے توبہ و استغفار کیا کرو، میں بارگاہ الٰہی میں روزانہ سو مرتبہ توبہ کیا کرتا ہوں''۔

توبہ اور استغفار میں فرق: توبہ اور استغفار ہم معنی الفاظ ہیں۔ جب یہ الفاظ تنہا استعمال ہوں تو ہر ایک دوسرے کے مفہوم میں داخل ہوتے ہیں، البتہ جب یہ دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال ہوں تو ان کے درمیان لطیف فرق پایا جاتا ہے۔ اس صورت میں استغفار کا مطلب دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرنا اور توبہ کا مطلب اپنے گناہوں پر نادم ہونا، اور دوبارہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرنا ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک استغفار کا تعلق گزرے ہوئے گناہوں سے ہے اور توبہ کا تعلق مستقبل سے کہ آئندہ گناہوں سے بچنے کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرنا۔ (موسوعۃ الخطب والدروس)

(3) نیکیاں کرنا: تیسرا سبب گناہوں کے بعد نیکیاں کرنا۔ اللہ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذُهِبُنَ

السَّیِّاٰتِ ۔(ھود:114)’’یقیناً نیکیاں برائیوں کودور کردیتی ہیں‘‘۔

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا: اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتُنِبَ الْكَبَائِرُ. (مسلم:باب الصلوات الخمس والجمعة الی الجمعة.. :572)’’پنج وقتہ نمازیں،ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک (کی جانے والی عبادتیں اور نیک اعمال) ان کے مابین ہونے والے (چھوٹے موٹے) گناہوں کو مٹادیتی ہیں، بشرطے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے‘‘۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کرتے ہوئے فرمایا:’’بھلا بتلاؤ!اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ شخص روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا:نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: پنج وقتہ نمازوں کی مثال اسی طرح ہے،ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ گناہوں اور خطاؤں کو مٹادیتا ہے‘‘۔(مسلم:باب المشی الی الصلاۃ تمحی به:1554)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے،ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا:میں نے مدینہ کے کنارے ایک عورت کے ساتھ کچھ نازیبا حرکتیں کی ہیں،مگر زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔اس گناہ کی جو بھی سزا ہے،وہ مجھ پر نافذ کردیجیے۔آپ ﷺ نے اس شخص کو کچھ جواب نہیں دیا۔وہ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اٹھ کر چلا گیا۔آپ ﷺ نے ایک شخص سے کہا کہ اسے بلالاؤ۔جب وہ آیا تو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ۔(مسلم:باب قوله :إن الحسنات يذهبن السيئات :7177)’’اور دیکھو،نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر۔درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں۔یہ ایک یاددہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کو یاد رکھنے والے ہیں‘‘۔

احادیث میں ایسے بے شمار اعمال بتائے گئے ہیں جو گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہیں، مثلا: حج، عمرہ، روزہ، قیام اللیل وغیرہ۔

(4) مسلمانوں کا ایک دوسرے کے حق میں دعاے مغفرت کرنا: مومن بھائی سے ہم دردی اور خیر خواہی ایمان کی علامت ہے۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ اپنے مومن بھائی کے لیے دعاے مغفرت کریں ۔قرآن میں حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا مذکور ہے: رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔ (نوح:28)''اے میرے پروردگار! تو مجھے، میرے والدین کو، اوران کو جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے''۔

سورۂ حشر میں مومنین کی یہ دعا نقل کی گئی ہے: رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔(الحشر:10)''اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں''۔

ایک مومن کی دعا کی وجہ سے دوسرے مومن کی بخشش ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: مَا مِنْ مَیِّتٍ یُصَلِّیْ عَلَیْہِ أُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ یَبْلُغُوْنَ مِائَةً کُلُّھُمْ یَشْفَعُوْنَ إِلَّا شُفِعُوْا فِیْہِ ۔ (مسلم:باب من صلی علیہ مائة شفعوا فیہ:2241) ''جب کسی مسلمان کے نماز جنازہ میں سو مسلمان حاضر ہوں اور وہ اس کے حق میں سفارش (یعنی دعاے مغفرت) کریں تو ان کی سفارش اس کے حق میں قبول کی جاتی ہے''۔

(5) وہ اعمال جن کا ثواب انسان کے مرنے کے بعد بھی اس کو برابر پہنچتا رہتا ہے: فرمانِ نبوی ﷺ ہے: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ إِنْقَطَعَ عَنْہُ عَمَلُہُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ ، إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ أَوْعِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِہٖ أَوْوَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْ لَہُ۔ (مسلم:باب مایلحق الإنسان من الثواب بعد وفاتہ:4310)''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے (کہ ان کا فیض اس کو پہنچتا رہتا ہے) ایک صدقۂ جاریہ، یا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جارہا ہو، یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعاے مغفرت کرے''۔

حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ الرَّجُلَ لَتُرْفَعُ دَرَجَتُهُ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ :أَنّٰى هٰذَا؟ فَيُقَالُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ ۔''جنت میں مومن کے درجات بلند کیے جاتے ہیں۔جنت میں اس بلند مقام کو دیکھ کر بندۂ مومن کو تعجب ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے دریافت کرے گا: میں نے اتنی نیکیاں کی ہی نہیں ،اس کے باوجود میرے درجات اس قدر بلند کیوں ہیں؟ کہا جائے گا: تمھاری اولاد کے تمھارے حق میں دعاے مغفرت کرنے کی وجہ سے تمھارے درجات میں اضافہ ہوا''۔(ابن ماجہ: باب برالوالدین :3791)

(6) ملائکہ،انبیاء اور مومنین کی سفارش : قیامت کے دن اہل ایمان کی سفارش بھی گناہوں کی بخشش کا ایک اہم ذریعہ ہے۔میدانِ حشر میں سارے انسان اپنے گناہوں کی وجہ سے پریشانی کے عالم میں ہوں گے۔کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔ ہرکوئی دوسرے سے بھاگ رہا ہوگا۔ایسے میں گناہ گار بندوں کو ایسے نیکوکاروں کی تلاش ہوگی جو اللہ کے دربار میں ان کی سفارش کر کے ان کے گناہ بخشوا سکیں۔اس دن اللہ تعالیٰ اپنے کچھ خاص بندوں کو گناہ گاروں کے حق میں سفارش کا اختیار عطا کرے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔(مسلم: باب معرفة طريق الــــرؤية:472)''(قیامت کے دن مومن کے حق میں) فرشتے،انبیاء اور مومن سفارش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان تمام کی سفارش گناہ گار مومنوں کے حق میں قبول فرمائے گا''۔

(7) مومنین کو پہنچنے والی مصیبتیں، تکلیفیں اور بیماریاں بھی اس کی بخشش کا ذریعہ ہیں: مصائب و مشکلات ایمان کا لازمی تقاضا ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُصِبْ مِنْهُ ۔(بخاری: کتاب المرضی ،باب ماجاء فی کفارة المرض: 5645)''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے،اس کو مصیبت سے دوچار کر دیتا ہے''۔یہ مصائب و مشکلات جہاں اس کے ایمان کی آزمائش اور امتحان کا ذریعہ ہیں وہیں اس کے گناہوں کی بخشش کا باعث بھی بنیں گی۔حضرت انسؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهٖ خَيْرًا عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ ذَنْبَهُ حَتّٰى

يُـوَافِـيَ بِهِ يَوُمَ الْقِيَامَةِ ۔(ترمذی:بـاب مـاجـاء فی الصبر علی البلاء :2575)''جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو(اس کے گناہوں کی سزا) جلد ہی دنیا میں دے دیتا ہے (یعنی تکلیفوں اورآزمائشوں کے ذریعے سے اس کے گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کر دیتا ہے)اور جب اپنے بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے اس کے گناہ کی سزا(دنیا میں)روک لیتا ہے، یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو پوری سزا دے گا''۔

بیماریوں کی وجہ سے انسان عام طور پر پریشان ہوجاتا ہے۔علاج کے بعد جب شفایابی سے مایوس ہوجاتا ہے تو ناجائز اور حرام طریقے تک اپنانے سے نہیں چوکتا۔بسا اوقات کفریہ اور شرکیہ اعمال کا ارتکاب بھی کر بیٹھتا ہے۔حالاں کہ بیماری بھی ایمان کی آزمائش کا ایک ذریعہ ہے۔اس پر صبر کرنا چاہیے۔جو مومن بیماریوں پرخصوصاً لاعلاج اور بڑی بڑی بیماریوں پر صبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان بیماریوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ام السائبؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔بخار کی وجہ سے ان کا جسم تپ رہا تھا۔آپ ﷺ نے ان کی خیریت دریافت کی تو وہ بخار کو بُرا بھلا کہنے لگیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:لَاتَسُبِّــي الْـحُمّٰـى فَـاِنَّهَـا تُـذُهِـبُ خَـطَـايَـا بَنِيُ آدَمَ كَمَا يُذُهِبُ الْكِيُرُ خَبُثَ الْحَدِيُدِ ۔(مسلم:بـا ب ثواب المؤمن فیـمـایصیبه من مرض.. :6735)''بخار کو برا بھلا مت کہو۔یہ ابن آدم کے گناہوں کو ویسے ہی ختم کر دیتا ہے جیسے آگ کی بھٹی لوہے کی گندگی کو دور کر دیتی ہے''۔

چھوٹی بڑی ہر تکلیف مومن کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: مَـا يُـصِيُبُ الْمُؤُمِنُ مِنُ وَصَبٍ وَلَا نَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَاحُزُنٍ وَلَاغَـمٍّ وَلَاأَذًى حَتّٰـى الشَّـوُكَةِ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنُ خَطَايَاهُ. (بخاری:باب ماجاء فـی کـفارة المرضیٰ :5640)''مومن کو جو بھی تھکان، بیماری، فکر، غم اور تکلیف پہنچتی ہے، حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے''۔

(8) قبر میں پہنچنے والی تکلیف اور مصیبت بھی مومن کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے: قبر میں بعض مومنوں

کوان کے گناہوں کی سزادی جاتی ہے،تا کہ قیامت کے سخت عذاب سے ان کی حفاظت ہو سکے۔ایک مرتبہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا گزر دوقبروں پر سے ہوا۔آپ ﷺ نے فرمایا:ان دوقبروالوں کوعذاب ہورہاہے،اوران کو یہ عذاب کسی بڑی (یازیادہ مشکل)بات پرنہیں دیا جارہا ہے۔پھرفرمایا: کیوں نہیں !وہ بڑی بات ہی ہے۔ان میں سے ایک کا جرم یہ تھا کہ وہ چغلی کھایا کرتا تھااور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔(مسلم: باب الدليل على نجاسة البول..:703)

ہرمومن کوقبر کی شدت سے دوچار ہونا پڑے گا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:اِنَّ لِلْقَبْرِ ضَغْطَةً لَوْكَانَ أَحَدٌ نَاجِيًا مِّنْهَا نَجَا سَعْدُبْنُ مُعَاذٍ ۔(الجامع الصغیروزیادتہ:3943)''قبر میں جوبھی شخص داخل ہوتا ہے،قبراس کودبوچتی ہے۔قبر کے دبوچنے سے اگرکوئی نجات پاسکتا توسعد بن معاذؓ اس سے نجات پاتے''۔

''حضرت سعد بن معاذؓ جلیل القدر انصاری صحابی تھے۔جنگِ خندق میں انھیں تیرلگی، جوان کی شہادت کا سبب بنی۔ جب حضرت سعدؓ کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ تشریف لائے اوران کا سر اپنے زانوئے مبارک پررکھ لیااوراللہ کے حضوردعافرمائی:یااللہ!سعد نے تیری راہ میں بڑی تکلیف اٹھائی ،تیرے رسول کی تصدیق کی ،اسلام کے حقوق ادا کیے،یااللہ!اس کی روح کے ساتھ ویساہی معاملہ فرماجیساتو اپنے دوستوں کے ساتھ فرماتا ہے'۔حضرت سعدؓ کی وفات پرآپ ﷺ نے فرمایا: سعدؓ کی موت پر رحمٰن کا عرش کانپ اٹھا''۔(بخاری:باب مناقب سعد بن معاذؓ :3803)ان کی نمازِ جنازہ میں ستر ہزارفرشتے شریک ہوئے''۔''ان کی روح کے لیے آسمان کے سارے دروازے کھول دیے گئے تا کہ جس دروازے سے چاہے ان کی روح اوپر جاسکے''۔حضرت ابوسعید خدریؓ نے قبرکھودی اورفرمایا:''اللہ کی قسم!مجھے اس قبر سے مشک کی مہک آرہی ہے''۔آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے نعش قبر میں رکھی۔قبر پرمٹی ڈالنے کے بعددیرتک ''سبحان اللہ،سبحان اللہ''ارشادفرماتے رہے۔دعاسے فراغت کے بعدصحابہ کرامؓ کے دریافت کرنے پرآپ ﷺ نے فرمایا:تدفین کے بعدقبرنے سعدؓ کودبوچ لیاتھا،میں نے دعا کی،تواللہ تعالیٰ نے قبرکوکشادہ کردیا''۔ (قبرکا بیان

:34،35بحوالہ مستدرک حاکم:4/4983۔4981)

(9) قیامت کے دن کی شدت اور ہول ناک بھی مومنین کے حق میں گناہوں کے کفارے کا باعث ہے: قیامت کا دن بڑا خوف ناک اور پریشان کن ہوگا۔سورۂ حج میں فرمایا گیا: اِنَّ زَلْـزَلَةَ السَّـاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ۔(الأنبیاء:1)''حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہول ناک) چیز ہے''۔

ہر انسان اپنے گناہوں کی وجہ سے پریشان ہوگا۔لوگ اپنے اپنے گناہ کے مطابق پسینے میں شرابور ہوں گے۔کسی کے ٹخنوں تک ،کسی کی پنڈلی تک ،کسی کے گھٹنوں تک اور کسی کی کمر تک پسینہ ہوگا۔کوئی سینہ اور گردن تک پسینہ میں ڈوبا ہوا ہوگا،اور بعض لوگ پسینہ میں ڈبکیاں کھا رہے ہوں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کے نیک اور مقرب بندے انبیاء کرامؑ بھی اس دن خوف زدہ ہوں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس دن اس قدر جلال میں ہوگا کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک ہوا تھا اور نہ اس کے بعد آئندہ کبھی ہوگا۔

اس دن کی تکلیف اور پریشانی بھی اہلِ ایمان کے لیے ان کے گناہوں کا کفارہ ثابت ہوگی۔

(10) رحمت الٰہی گناہوں کی بخشش کا آخری ذریعہ ہے: اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بہت سے گناہ گاروں کو بخش دیتا ہے۔**حدیث شفاعت میں ہے:** وَلَـمْ يَبْـقَ إِلَّا أَرْحَـمُ الـرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِّـنَ النَّـارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ .(**مسلم**:بـاب معرفة طريق الرؤية: **472**)
''(جب سارے لوگ سفارش کر چکیں گے تو) ارحم الراحمین کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہے گا ، چناں چہ اللہ تعالیٰ جہنم کے ایک مٹھی بھر حصے سے ایسے لوگوں کو نکالیں گے جنھوں نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی ہوگی، (البتہ ان کی زندگی شرک سے پاک ہوگی)''۔

اس لیے مومن کو کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔اس کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں مگر اللہ کی رحمت اس سے کہیں زیادہ ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے گناہ گار بندوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ

اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ۔(الزمر:53)''اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بے شک اللہ تعالی سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ واقعی وہ بڑی بخشش اور بڑی رحمت والا ہے''۔

ننا وے بے گناہوں کا قاتل جب اپنے گناہوں پر نادم ہوا تو اسے توبہ کی فکر لاحق ہوی، لوگوں سے دریافت کر کے وہ ایک عالم کے پاس پہنچا۔ اس سے کہا: میں نے ننا وے آدمیوں کا قتل کیا ہے، کیا میرے گناہوں کی بخشش کی کوئی صورت ہے؟ اس نے کہا: تم اتنے گناہ کیے ہو کہ تمھارے لیے توبہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔ یہ سن کر اس نے عالم کو بھی قتل کر دیا، مگر احساسِ ندامت کی جو چنگاری اس کے دل میں پیدا ہو چکی تھی وہ برابر اس کو بے چین کرتی رہی، اور رحمتِ الٰہی سے امید کی کرن ابھی باقی تھی ۔ لوگوں سے دریافت کر کے وہ ایک اور عالم کے پاس پہنچا اور اس سے اپنا حال بیان کر کے کہا: کیا میرے لیے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں، مَنۡ یَّحُوۡلُ بَیۡنَہٗ وَبَیۡنَ التَّوۡبَۃِ ۔''توبہ اور بندے کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے''؟ پھر عالم نے اس آدمی کو مشورہ دیا: اِذۡهَبۡ اِلٰی اَرۡضِ كَذَا وَ كَذَا فَاِنَّ فِیۡهَا رِجَالًا صَالِحِیۡنَ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مَعَهُمۡ ۔" فلاں سرزمین میں جاؤ، وہاں نیک لوگ ہیں، ان کے ساتھ رہ کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ''۔ وہ شخص نصیحت پر عمل کرتے ہوے اس بستی کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ اس کی موت کا وقت آ پہنچا۔ رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ ہم اس کی روح قبض کریں گے: جَاءَ تَائِبًا مُقۡبِلًا بِقَلۡبِهِ اِلَی اللّٰهِ ۔" کیوں کہ اس نے اللہ سے خالص اور سچی توبہ کی ہے''۔ جب کہ عذاب کے فرشتے کہنے لگے کہ ہم اس کی روح قبض کریں گے: اِنَّهُ لَمۡ یَعۡمَلۡ خَیۡرًا قَطُّ ۔''کیوں کہ اس نے زندگی میں کوئی نیک عمل کیا ہی نہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر وہ گناہ گاروں کی بستی سے قریب ہو تو اس کی روح عذاب کے فرشتے قبض کریں اور اگر وہ نیک لوگوں کی بستی کے قریب ہو تو اس کی روح رحمت کے فرشتے قبض کریں ۔ اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کی بستی سے کہا کہ دور ہو جا، اور نیک لوگوں کی بستی سے کہا کہ قریب ہو جا۔ جب دونوں طرف کی زمین ناپی گئی تو وہ

نیک لوگوں کی بستی سے ایک بالشت قریب تھا، اس لیے رحمت کے فرشتے نے اس کی روح قبض کی۔

(مسلم:باب قبول توبة القاتل وإن کثرقتله:**7184**)

یہ وہ دس ذرائع ہیں جن سے مومن کے گناہوں کی بخشش ہوتی ہے، اس لیے کسی بھی مومن کو مایوس نہیں ہونا چاہیے، اور کسی کلمہ گو مسلمان کو خواہ کتنا ہی گناہ گار نظر آئے، کافر یا اسلام سے خارج قرار دینے میں احتیاط برتنی چاہیے۔

اللہ تعالی ہر مسلمان کو بخشش کے ان ذرائع کو اپنانے اور ان کا مستحق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نارِ جہنم

گرمی کا موسم آتا ہے تو ہر انسان پریشان ہوجاتا ہے۔گرمی سے بچنے کی مختلف تدابیر اختیار کرتا ہے۔ ٹھنڈا پانی اور ٹھنڈی اشیاء استعمال کرتا ہے، تا کہ گرمی سے محفوظ رہ سکے اور دو چار منٹ کے لیے بھی اگر بجلی چلی جائے تو بے چین ہوجاتا ہے۔ان ایام میں ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ سارے کاموں کو چھوڑ کر آرام کرے۔ اسی لیے اسکولوں اور کالجوں کو اور بعض سرکاری اداروں کو چھٹی دی جاتی ہے۔بعض لوگ گرمی کا موسم ٹھنڈے علاقوں میں گزارتے ہیں۔

دنیا کی یہ گرمی انسان کے لیے اس قدر نا قابلِ برداشت ہے، جب کہ جہنم کی آگ اور اس کی گرمی اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ 9ھ میں تبوک کی جنگ ہوی۔ یہ جنگ سخت گرمی کے موسم میں پیش آئی۔گرمی کی شدت کے باوجود صحابہ کرامؓ جنگ کے لیے نکل پڑے مگر منافق اس جنگ سے پیچھے رہ گئے اور وہ آپس میں کہنے لگے: لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ۔''اس گرمی میں (جنگ کے لیے) مت نکلو''، اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی زبانی فرمایا: قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۔(التوبہ:81)'' آپ ﷺ کہہ دیجیے! جہنم کی آگ اس سے زیادہ سخت ہے''۔

دنیا کی یہ آگ دراصل جہنم کی آگ اور اس کی گرمی کی ایک جھلک ہے۔صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:''جب گرمی سخت ہوجائے تو نماز کے ذریعے ٹھنڈک حاصل کرو۔ بے شک گرمی کی شدت جہنم کے بھانپ کی وجہ سے ہے۔جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی کہ اے میرے رب! میرا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھائے جارہا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے (سال میں) دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی۔ایک مرتبہ موسم سرما میں (اندر کی طرف) دوسری مرتبہ موسم گرما میں (باہر کی طرف) جب وہ باہر کی طرف سانس چھوڑتی ہے تو تم سخت گرمی محسوس کرتے ہو اور جب وہ اندر کی طرف سانس لیتی ہے تو تم سخت ٹھنڈک محسوس کرتے ہو۔(بخاری: باب الإبراد بالظهر فی شدة

الحر:537)

جہنم کی آگ میں دنیا کی آگ سے 69 درجہ زیادہ حدّت ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:نَارُكُمُ هٰذِهِ الَّتِيْ يُوْقِدُ ابْنُ آدَمَ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ حَرِّجَهَنَّمَ۔''تمھاری یہ آگ جسے تم جلاتے ہو،جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔صحابہؓ نے فرمایا: انسانوں کو جلانے کے لیے یہی آگ کافی تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا:اس کے باوجود اس کو ۶۹ درجہ برتری دی گئی ہے۔(مسلم:باب فی شدة حرنارجهنم بعدقعرها:7344)

قرآن مجید میں اس آگ کو کہیں:اَلنَّارُالْكُبْرىٰ،''بہت بڑی آگ''،کہیں:نَارُاللّٰهِ الْمُوْقَدَةِ۔''اللہ کی بھڑکائی ہوی آگ''،کہیں:نَارًا تَلَظّٰى ''آگ کی لپٹ''اور کہیں:نَارٌحَامِيَةٌ ''دہکتی ہوی آگ'' کہا گیا ہے۔

جہنم کی یہ آگ مسلسل بھڑکائی جارہی ہے۔رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِيْ قَالَا:اَلَّذِيْ يُوْقِدُالنَّارَمَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ،وَأَنَاجِبْرِيْلُ وَهٰذَا مِيْكَائِيْلُ ۔(بخاری:باب اذا قال أحدكم آمين والملائكة فی السماء :3236)''میں نے آج خواب میں دو آدمیوں کو دیکھا جو کہہ رہے تھے:وہ فرشتہ جو آگ بھڑکا رہا ہے وہ جہنم کا داروغہ ہے جس کا نام مالک ہے،میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں''۔

جہنم کی آگ کبھی بجھتی نہیں۔جب کبھی بجھنے کے قریب ہوتی ہے تو مزید ایندھن ڈال کر اس کو بھڑکایا جاتا ہے۔جیسا کہ فرمایا گیا: كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۔(بنی اسرائیل:97)''جب بھی اس کی آگ دھیمی ہوگی،ہم ان کے لیے اس کی تپش کو بڑھادیں گے''۔

جہنم کی آگ مسلسل بھڑکانے کی وجہ سے سرخ ہونے کی بجائے شدید سیاہ ہوچکی ہے۔حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں:أَتَرَوْنَهَا حَمْرَاءَ كَنَارِكُمْ هٰذِهِ لَهِيَ أَسْوَدُ مِنَ الْقَارِ۔(مالک :باب ماجاء فی صفة جهنم: 1843)''کیا تم جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ کی طرح سرخ سمجھتے ہو؟ وہ تو تارکول سے بھی زیادہ سیاہ ہے''۔

اس جہنم میں نافرمانوں کے لیے مختلف قسم کے عذاب ہیں مگر سب سے بڑا عذاب آگ کا ہی ہوگا۔ دنیا کے سب سے زیادہ مال دار آدمی کو جہنم کی آگ میں ایک مرتبہ غوطہ دے کر نکالا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا: ''کیا تم نے کبھی عیش و آرام کی زندگی گزاری ہے''؟ وہ شخص کہے گا: ''میں نے دنیا میں کبھی عیش کی زندگی نہیں گزاری''۔ (مسلم: باب صبغ أنعم أهل الدنيا في النار: 7266) ایک مرتبہ جہنم میں غوطہ دینے کی وجہ سے وہ سارے عیش و آرام بھول جائے گا۔

جہنم کا سب سے ہلکا عذاب یہ ہوگا کہ آدمی کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے جس کی وجہ سے اس کا دماغ اسی طرح کھول رہا ہوگا جس طرح ہانڈی میں گرم سالن کھولتا ہے، اور وہ یہ سمجھ رہا ہوگا کہ مجھے جہنم کا سب سے بڑا عذاب دیا جارہا ہے۔ (مسلم: باب أهون أهل النار عذابا: 536)

جہنمیوں کو رہنے کے لیے جو گھر دیے جائیں گے وہ آگ سے بنے ہوں گے۔ چناں چہ فرمایا گیا: اِنَّآ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِيۡنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمۡ سُرَادِقُهَا۔ (الکھف: 29) ''ہم نے ظالموں کے لیے ایک آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناطیں انھیں گھیرے میں لے چکی ہیں''۔

پہننے کے لیے جو کپڑے دیے جائیں گے وہ بھی آگ سے ہی بنے ہوں گے: فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِيَابٌ مِّنۡ نَّارٍ ۔ (الحج: 19) ''پس جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، ان کے لیے قیامت کے دن آگ کے کپڑے بنائے جائیں گے''۔

اوڑھنا اور بچھونا بھی آگ کا ہوگا: لَهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنۡ تَحۡتِهِمۡ ظُلَلٌ ۔ (الزمر: 16) ''ان کے لیے ان کے اوپر آگ سائبان ہوگی اور ان کے نیچے سے بھی آگ کے سائبان ہوں گے''۔

درخت بھی آگ کے ہوں گے۔ سایہ حاصل کرنا چاہیں گے تو ان پر آگ کے شعلے برسنے لگیں گے: اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ۚ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ لَّا ظَلِيۡلٍ وَّلَا يُغۡنِىۡ مِنَ اللَّهَبِ ؕ اِنَّهَا تَرۡمِىۡ بِشَرَرٍ كَالۡقَصۡرِ ۚ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ؕ۔

(المرسلات:33-29)''دھویں کے اس سایے کی طرف چلو جو تین شاخوں والا ہے۔وہ سایہ نہ ٹھنڈک پہنچانے والا ہوگا اور نہ وہ آگ کی تپش سے بچائے گا۔جہنم محل کے مانند بڑے بڑے انگارے پھینک رہی ہوگی، وہ انگارے گویا کہ زرد سیاہ اونٹ ہوں گے''۔

دنیوی آگ میں انسان ایک مرتبہ جل کر ختم ہوجاتا ہے مگر جہنم کی آگ میں انسان کا جسم ختم نہیں ہوتا بلکہ عذاب کا مزہ چکھانے کے لیے اس کا جسم اور جسم کا چمڑا بدلا جاتا رہے گا۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۔(النساء:56)''جب بھی ان کے چمڑے پک جائیں گے، ہم ان کے چمڑوں کو بدل دیں گے، تا کہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں''۔

جہنم کی اس آگ میں نہ موت آئے گی اور نہ چین کی زندگی نصیب ہوگی: الَّذِیْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۔(الاعلیٰ:13،12)''جو بڑی آگ میں داخل ہوگا، پھر اس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا''۔

جہنم کے ان عذابات کو دیکھ کر انسان کفِ افسوس ملنے لگے گا اور گناہوں کا اعتراف کرتے ہوے اپنے پروردگار سے کہے گا: فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۔(المومن:11)''ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، کیا اس جہنم سے نکلنے کا کوئی راستہ بھی ہے''؟۔ان کی یہ درخواست رد کردی جائے گی۔

مجرم جہنم کے ان عذابات سے بچنے کے لیے اللہ کے دربار میں رشوت دینا چاہیں گے، اور اپنی سب سے قیمتی چیز، اور دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز بطورِ رشوت پیش کرنا چاہیں گے: يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِیْ تُئْوِيْهِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ،نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۔(المعارج:16-11)''مجرم چاہے گا کہ وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کا فدیہ دے دے اور اپنی بیوی، بھائی اور اس خاندان اور کنبے کو جو (دنیا میں) اسے پناہ دیتا تھا اور زمین میں پائے جانے والے تمام لوگوں

کو بطور فدیہ پیش کردے، پھر اس کی یہ تدبیر اسے (عذاب سے) نجات دلا دے۔ ہرگز نہیں، بے شک وہ آگ کا شعلہ ہوگا، وہ تو سرے سے چمڑے کو ادھیڑ ڈالے گا''۔

رشوت جب رد کر دی جائے گی تو گناہ گار لوگ اللہ کے دربار میں جہنم کے داروغہ کو سفارشی بنانا چاہیں گے۔ داروغۂ جہنم سے کہیں گے: يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۔''اے مالک (داروغۂ جہنم! ہمارے لیے درخواست کرو کہ) تمھارا رب ہمیں ختم ہی کر دے''۔ وہ سفارش کرنے سے انکار کرتے ہوے کہے گا: اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۔(الزخرف:77)''تم کو تو اسی حال میں رہنا ہے''۔

پھر دوسری درخواست یہ کریں گے کہ ایک دن کے لیے آگ میں تخفیف کی جائے: وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۔(المومن:49) ''اور جو لوگ جہنم میں ہوں گے، وہ جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: ذرا اپنے رب سے فریاد کرو کہ وہ ایک دن کے لیے ہم سے عذاب کو ہلکا کر دے''۔ مگر ان کی یہ درخواست بھی رد کر دی جائے گی۔

آخر میں وہ جنتیوں سے درخواست کریں گے: اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۔''ہمیں کچھ پانی دے دو، یا اللہ نے تمھیں جو روزی دی ہے، اس میں سے کچھ دے دو''۔ وہ جواب دیں گے: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔(الاعراف:50)''اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں''۔

جہنم سے نکلنے کی جب کوئی راہ نظر نہیں آئے گی تو افسوس کرتے ہوے کہیں گے: يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۔ (الأحزاب:66)''کاش! ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی''۔

یہ ہے جہنم کے ایک عذاب کی حقیقت، ورنہ اس میں اور بہت سے خطرناک عذابات ہیں، جن کے تصور سے ہی انسان کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ جس طرح وہ دنیا کی گرمی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ جہنم کی آگ اور اس کے عذابات سے بچنے کی فکر کرے۔

اسلافِ کرامؒ اور نارِ جھنم : اللہ کے نیک بندے ہمیشہ نارِ جہنم سے بچنے کی فکر کیا کرتے ہیں۔ایسے ہی نیک بندوں کی صفت بیان کرتے ہوے فرمایا گیا: اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔(آل عمران:**16**) ''(نیک بندے وہ ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ، پس تو ہمارے گناہ معاف کردے اور جہنم کے عذاب سے ہمیں بچادے''۔

جہنم کی آگ کا تصور ذہن میں رکھنے والا شخص کبھی چین کی نیند نہیں سوسکتا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَا رَأَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا ۔(**ترمذی**: باب منه قول النبي آخر أهل النار خروجا :**2805**) ''میں نے جہنم سے بھاگنے والے کسی شخص کو (آرام کی نیند) سوتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ ہی جنت کے کسی خواہش مند کو (آرام کی نیند) سوتے دیکھا ہے''۔

جہنم کی اس آگ کو دیکھ کر قیامت کے دن تمام انبیاء کرامؑ اس قدر خوف زدہ ہوں گے: رَبِّ سَلِّمْ ، سَلِّمْ ۔''اے میرے رب! مجھے بچالے، اے میرے رب! مجھے بچالے''۔ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی جان کی امان طلب کریں گے۔(**مسلم**:باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها:**503**)

''ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اسی آگ کو یاد کر کے روتی تھیں اور حضرت عمر بن خطابؓ تلاوتِ قرآن کے دوران آگ کے عذاب کی آیت پر پہنچے تو بے ہوش ہو گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا گزر لوہار کی دوکان پر سے ہوا اور آگ سے دہکتی بھٹی دیکھی تو جہنم کی آگ کو یاد کر کے رونے لگے تھے۔

حضرت ربیعؒ پوری پوری رات بستر پر پہلو بدلتے رہتے۔ بیٹی نے ایک دفعہ پوچھا: ابا جان! ساری دنیا آرام سے سوتی ہے مگر آپ کیوں جاگتے رہتے ہیں؟ فرمانے لگے: ''بیٹا! جہنم کی آگ تیرے باپ کو سونے نہیں دیتی''۔(جہنم کا بیان از مولانا محمد اقبال کیلانی:**14**)

سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۔(بنی اسرائیل:**57**) ''بے شک تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرانے والا''۔

جہنم سے بچنے کے ذرائع : احادیث میں بہت سے اعمال بتائے گئے ہیں جنھیں اپنا کر نارِ جہنم سے بچا جا سکتا ہے۔ان میں سے چند کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے:

1۔شہادتین کا اقرار: سچے دل سے شہادتین کا اقرار(اللہ کے معبودِ حقیقی ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی) نارِ جہنم سے محفوظ رہنے کا بنیادی ذریعہ ہے۔اس کے بغیر کوئی بھی شخص جہنم سے بچ نہیں سکتا اور نہ جنت میں داخل ہوسکتا ہے۔چناں چہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ ۔(**مسلم**: باب من لقی اللہ بالإيمان.. :**151**)''جو اللہ کے معبود ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دے،اللہ اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیتا ہے''۔

2۔اللہ کی یاد میں آنسو بہانا اور اللہ کی راہ میں پہرہ دینا: یہ دو عمل اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا اہتمام کرنے والوں کو جہنم سے نجات دلاتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:عَيْنَانِ لَاتَمَسُّهُمَاالنَّارُ أَبَدًا،عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔(**صحیح الجامع الصغیر:4113**)''دو آنکھیں ایسی ہیں جنھیں جہنم کی آگ کبھی نہیں چھوتی۔ایک وہ آنکھ جو اللہ کی خشیت میں روتی ہے،اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوے جاگتی ہے''۔

3۔فرائض اور واجبات کا اہتمام: ایک مومن پر اللہ کے اور بندوں کے جو حقوق عاید ہوتے ہیں، انھیں ادا کرنا نارِ جہنم سے بچنے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا:دُلَّنِيْ عَلىٰ عَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْنِيْنِيْ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُنِيْ مِنَ النَّارِ ، قَالَ :تَعْبُدُاللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِى الزَّكَاةَ وَتَصِلُ ذَا رَحِمِكَ ۔(**مسلم**:باب بيان الإيمان الذی يدخل به الجنة: **115**)''ایسا کوئی عمل بتائیے ،جو مجھے جنت سے قریب اور جہنم سے دور کردے۔آپ ﷺ نے فرمایا:اللہ ہی کی عبادت کرو،اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو،نماز قائم کرو،اپنے مال کی زکاۃ ادا کرو،اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو''۔

4۔چالیس دن تک نماز باجماعت کا اہتمام: نماز ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے۔جو شخص چالیس دن تک نماز باجماعت کا اہتمام کرتا ہے، وہ بھی جہنم کی آگ سے محفوظ رہتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:
مَنْ صَلّٰی لِلّٰہِ أَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَةٍ یُدْرِكُ التَّكْبِیْرَةَ الْأُولٰی كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ ۔(ترمذی:باب فضل التکبیرۃ الأولی :241)''جو شخص چالیس دن جماعت کے ساتھ،تکبیر تحریمہ کا اہتمام کرتے ہوئے نماز ادا کرے تو اس کے لیے دو چیزوں سے براءت لکھ دی جاتی ہے،ایک جہنم سے براءت اور دوسرے نفاق سے''۔
5۔صدقات وخیرات: ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:''تم میں سے ہر کوئی اللہ تعالیٰ کے دربار میں تنہا حاضر ہوگا،اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا،اس کو اپنے دائیں اور بائیں جانب اپنے اعمال نظر آئیں گے،اور سامنے آگ ہی آگ دکھائی دے گی،(قیامت کے اس منظر کو بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا)اس آگ سے بچو،کھجور کا معمولی ٹکڑا صدقہ کر کے ہی سہی''۔
(مسلم:باب الحث علی الصدقه ولو بشق تمرة :2395)
6۔مومن بھائی کا دفاع کرنا: اسلامی اخوت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اپنے مومن کی عزت کا خیال رکھا جائے اور اس کی عزت پر ہونے والے حملوں کا دفاع کیا جائے۔جو شخص اپنے مومن بھائی کی عزت کی جانب سے دفاع کرتا ہے،اللہ اسے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھتا ہے۔حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ أَخِیْهِ بِالْغَیْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ یُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ ۔(صحیح الجامع الصغیر:6240)''جو اپنے مومن بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر ہونے والے حملوں کا دفاع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ اس کو جہنم سے آزاد کرے''۔
7۔بیٹیوں کی تربیت: بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیوں کی تربیت کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔عام طور پر ہمارے معاشرے میں بیٹوں کو ہر معاملے میں ترجیح دی جاتی ہے اور بیٹیوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام نہیں کیا جاتا،جب کہ بیٹیوں کی تربیت اس قدر فضیلت والا عمل ہے کہ اس سے آدمی جہنم سے محفوظ رہتا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:من ابتلی من البنات بشیء

فأحسن اِلیھن کن لہ سترامن النار ۔(**مسلم**:باب فضل الِاحسان الی البنات: **6862**)''جس کو بیٹیوں کے ذریعہ آزمایا جائے،وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے تو یہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی''۔

8۔ذکرواذکار کا التزام : کچھ اذکار ایسے ہیں جو بظاہر بہت معمولی ہیں مگر اجروثواب کے اعتبار سے بہت ہی اہم ہیں۔انھیں میں سے یہ چار کلمات بھی ہیں:سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاللّٰہُ أکْبَرُ۔ان کلمات کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:خُذُوا جُنَّتَکُمْ مِّنَ النَّارِ۔یہ کلمات جہنم سے بچانے والی ڈھال ہیں۔(**صحیح الجامع الصغیر**:**3214**)

ہر مومن کو چاہیے کہ اپنے آپ کو جہنم اوراس کے عذابات سے بچانے کی فکر کرے،اوراس دنیا میں عملی تدابیر اختیار کرتا رہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

جنت کا سفر

انسان کا پہلا اور حقیقی ٹھکانا جنت ہے۔حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنت ہی میں انھیں سکونت بخشی تھی۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَـٰٓـاٰدَمُ اسۡـکُـنۡ اَنۡـتَ وَزَوۡجُكَ الۡـجَنَّةَ ۔(البقرہ:35)''اے آدم!تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو''۔ساتھ ہی ایک شرط لگائی تھی۔ : وَكُلَا مِـنۡهَـا رَغَـدًا حَيۡـثُ شِـئۡتُمَا وَلَا تَـقۡـرَبَـا هـٰذِهِ الشَّـجَـرَةَ فَتَـكُـوۡنَـا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۔ (البقرہ:35)''جو چاہو کھاؤ،جنت میں جہاں چاہو رہو،البتہ اس درخت کے قریب مت جانا،ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے''۔

حضرت آدمؑ نے شیطان کے فریب اور دھوکے میں آکر اس درخت کا پھل کھالیا،جس کے نتیجے میں انھیں جنت سے نکلنا پڑا۔پھر انھیں اس دنیا میں بھیج دیا گیا اور کہا گیا کہ اس دنیا میں رہ کر جنت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرو۔یہ دنیا حقیقت میں اپنی کھوئی ہوی جنت کو دوبارہ حاصل کرنے کا ایک موقع ہے۔یہاں انسان کو ہمیشہ رہنا نہیں ہے، بلکہ یہاں اس کا ٹھکانا ایک متعین وقت تک کے لیے ہے،جیسا کہ ارشاد ہے:وَلَـكُـمۡ فِـى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَـرٌّ وَّمَتَـاعٌ اِلٰـى حِيۡن ۔(البقرہ:36) ''اور تمھارے واسطے زمین ٹھکانا ہے اور ایک مقرر وقت تک فائدہ اٹھانا ہے''۔

یہ دنیوی زندگی گویا ایک کشتی ہے جس میں سوار ہو کر انسان سفر حیات طے کر رہا ہے۔اگر یہ کشتی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے طریقے کے مطابق صحیح سمت پر چلتی رہی تو انسان اپنی کھوئی ہوی منزل (جنت) تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔اور اگر سفرِ حیات کی یہ کشتی غلط رخ پر چل پڑے،اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوے طریقے پر اپنا سفر جاری نہ رکھے تو پھر انسان اپنی کھوئی ہوی جنت کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔چناں چہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوے فرمایا گیا: فَـاِمَّـا يَـاۡتِيَـنَّـكُـمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَـلَيۡـهِـمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ

۔وَالَّـذِيْـنَ كَـفَـرُوْا وَكَـذَّبُـوْا بِـاٰيٰتِـنَـآ اُولٰٓـئِكَ اَصْـحٰـبُ الـنَّـارِ هُـمْ فِيْـهَـا خٰـلِـدُوْنَ ۔ (البقرۃ:38،39)''پھر اگر تمھیں میری طرف سے ہدایت آئے تو جو لوگ میری ہدایت کی پابندی کریں گے، انھیں نہ تو کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ ہی وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔ اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلائیں گے، وہی لوگ جہنم والے ہوں گے''۔

اس جنت کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ مقصدِ حیات نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے اور یہ بات ہمیشہ ذہن و دماغ میں مستحضر رہے کہ یہ دنیا مسافر خانہ ہے۔ اس کی چمک دمک سے مرعوب ہونا اور اس کی رنگینیوں اور دل فریبیوں میں کھو کر منزل مقصود سے بے پروا ہونا عقل مندی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: كُـنْ فِـي الـدُّنْيَا كَـأَنَّكَ غَـرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ ''دنیا میں ایسے رہو گویا کہ تم اجنبی ہو یا راستہ چلتے مسافر''۔ اس نصیحت کے بعد حضرت عبداللہؓ لوگوں سے اکثر کہا کرتے تھے: إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ ۔(بخاری: باب قول النبی اکن فی الدنیا کأنك غریب أو عابر سبیل :6416)''صبح ہو تو شام کا انتظار مت کرو، اور جب شام ہو تو صبح کا انتظار مت کرو۔ بیماری سے پہلے صحت کو اور موت سے پہلے زندگی کو غنیمت جانو''۔

جنت کا حصول مومن کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے۔ وہ اپنی زندگی کا سکون و اطمینان قربان کر کے، اپنی دولت لٹا کر، اور اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اللہ کی بنائی ہوی جنت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حضرت ابوطلحہؓ ایک انصاری صحابی ہیں۔ مدینہ میں ان کا ایک خوب صورت باغ تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ دورانِ نماز ان کی توجہ باغ کے خوب صورت پھل پھول اور درختوں کی طرف مبذول ہوگئی، اور رکعتوں کی تعداد بھول گئے۔ انھیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ باغ جنت کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور سارا واقعہ بیان کیا اور فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جس چیز نے میری نماز میں خلل ڈالا، میں اسے اللہ کی راہ

میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ اسے جہاں چاہیں استعمال کریں۔ (بخاری)

مومن مصائب ومشکلات کو اور بڑی سی بڑی مصیبت کو جنت کی خاطر برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: کیا میں تمھیں ایک جنتی عورت نہ بتلاؤں؟ میں نے کہا: ضرور بتلایئے۔ انھوں نے ایک بوڑھی عورت کی طرف اشارہ کر کے کہا: اس کالی کلوٹی سیاہ فارم عورت کو دیکھو، یہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ مجھے مرگی کے دورے پڑتے ہیں اور جب یہ دورے پڑتے ہیں تو میں بے ہوش ہو جاتی ہوں۔ میرے کپڑے بھی ادھر ادھر ہو جاتے ہیں، آپؐ دعا کیجیے کہ اللہ مجھے اس بیماری سے نجات دلائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنْ شِئْتِ صَبِرْتِ فَلَكِ الْجَنَّةُ وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْ يُّعَافِيَكَ۔ اگر تم جنت چاہتی ہو تو صبر کرو، اور اگر تم یہ چاہتی ہو کہ میں اللہ سے دعا کروں تا کہ وہ تمھیں اس بیماری سے نجات دلائے تو میں دعا کر دیتا ہوں۔ جنت کا نام سنتے ہی اس عورت نے کہا: مجھے یہ بیماری منظور ہے، میں اس پر صبر کرلوں گی، مجھے جنت چاہیے۔ البتہ آپ ﷺ اتنی دعا کیجیے کہ جب یہ دورہ پڑے تو میرے کپڑے جسم سے الگ نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کی۔
(مسلم: باب ثواب المؤمن فیمایصیبه من مرض: 6736)

مومن جنت حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ جنگِ بدر کا اعلان ہو چکا ہے، حضرت سعد بن خیثمہؓ کے گھر میں دو ہی افراد جنگ کے قابل ہیں۔ ایک وہ اور دوسرے ان کے والد، دونوں کی خواہش تھی کہ جنگ میں شریک ہوں، مگر کسی ایک کا گھر میں رہنا ضروری تھا، تا کہ گھر کی عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال ہو سکے۔ آخر طے ہوا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔ قرعہ اندازی میں بیٹے کا نام نکلا۔ باپ نے کہا: تم میرے بیٹے ہو، میں ولدیت کا حوالہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ میری خاطر ایثار کردو، مجھے جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے دو، (تمھاری تو ابھی عمر ہے تم کو موقع مل سکتا ہے......) بیٹے نے کہا: یہاں معاملہ شہادت اور حصولِ جنت کا ہے، اگر معاملہ جنت کا نہ ہوتا تو میں ضرور آپ کی بات مان لیتا مگر جنت کے معاملے میں اپنے

آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ یہ کہتے ہوئے وہ جنگ میں شریک ہوگئے اور لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ باپ بے قرار تھے کہ کب انھیں بھی اللہ کی راہ میں شہادت کا موقع نصیب ہوگا تا کہ وہ بھی اپنے بیٹے کی طرح اللہ کی بنائی ہوئی جنت میں داخل ہوں۔ دوسرے ہی سال جب جنگِ احد پیش آئی تو حضرت خیثمہؓ اس میں شریک ہوئے اور جواں مردی کے ساتھ لڑتے ہوئے اللہ کی راہ میں شہید ہوگئے۔ یہ تھا صحابہ کرامؓ میں حصولِ جنت کا شوق۔

جنت کا تعارف : جنت کی وسعت اور گہرائی، اور اس کے حدودِ اربعہ کا ٹھیک ٹھیک ادراک نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ۔(السجدة:27)''کوئی شخص نہیں جانتا جو کچھ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے ان سے چھپا کر رکھا گیا ہے، یہ بدلہ ان اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

وہ جنت جس کا تعارف کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ- اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔(آل عمران:137)''اور جلدی کرو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

جنت کی عمارت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا: لَبِنَةٌ مِّنَ ذَهَبٍ وَلَبِنَةٌ مِّنْ فَضَّةٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ وَحَصْبَاءُ هَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوتُ وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ يَّدْخُلُهَا يَنْعَمُ وَلَا يَبْأَسُ وَيخْلُدُ وَلَا يَمُوْتُ وَلَا يَبْلَى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهُمْ۔(ترمذی: کتاب صفة الجنة ،باب ماجاء فی صفة الجنة و نعيمها :2717)''اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی، اس کا چونا گارا تیز خوشبودار کستوری جیسا ہے، اس کے سنگریزے قیمتی موتی اور یاقوت ہیں، اس کی مٹی زعفران ہے۔ جو اس میں داخل ہوگا، وہ عیش کرے گا، اسے کبھی تکلیف نہ ہوگی۔ وہ

ہمیشہ زندہ رہے گا، اسے کبھی موت نہ آئے گی۔ جنت والوں کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ ان کی جوانی ختم ہوگی"۔

"جنت کے سو درجات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ جب بھی تم اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس مانگو، یہ جنت کا درمیانی اور اعلیٰ حصہ ہے، اس کے اوپر اللہ کا عرش ہے، اور یہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں"۔(بخاری: كتاب الجهاد: باب درجات المجاهدين فى سبيل الله: 2790)

ایک دوسری روایت میں ہے "جنت کے سو درجات ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان ایک سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے"۔(ترمذی: كتاب صفة الجنة ،باب ماجاء فى صفة درجات الجنة: 2721)

جنت کے آٹھ دروازے ہیں، (بخاری: 3257) جنت کے ایک دروازے کے دو کواڑوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا مکہ مکرمہ اور ہجر کے درمیان یا مکہ اور بُصری کے درمیان ہے۔(مسلم: كتاب الإيمان: باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها: 501)(یاد رہے کہ ان دونوں مقامات کا باہمی فاصلہ ایک ہزار کلومیٹر سے زیادہ ہے۔) ایک دوسری روایت میں ہے کہ جنت کے دروازوں کے دو کواڑوں کا درمیانی فاصلہ سات سال کی مسافت کا ہے۔(صحیح ابن حبان:)

جنت کے درخت پھل دار، گھنے اور سایہ دار ہوں گے۔ جنت کے ایک درخت کا سایہ اتنا طویل ہوگا کہ گھوڑ سوار سو سال تک اس کے سائے میں سفر کرے تب بھی سایہ ختم نہیں ہوگا۔ (بخاری: باب صفة الجنة والنار..:6553)

سب سے آخر میں جو شخص جنت میں داخل ہوگا اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے آخر میں جو جہنم سے نکالا جائے گا وہ رینگتے ہوئے جہنم سے نکلے گا۔ اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ جنت کے پاس پہنچے گا تو دیکھے گا کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ حاصل کر چکے ہیں،

بظاہر وہاں کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔وہ مایوسی کے عالم میں ہوگا۔اس سے کہا جائے گا کہ کیا تمھیں اپنا وہ وقت یاد ہے جو تم جہنم میں گزار چکے ہو؟ وہ کہے گا کہ ہاں !وہ اذیت ناک وقت میں کبھی بھول نہیں سکتا۔اس سے کہا جائے گا کہ اپنی کسی تمنا کا اظہار کرنا ہو تو کرو۔وہ اپنی تمنا کا اظہار کرے گا۔اس سے کہا جائے گا:تمھاری تمنا بھی پوری کی جائے گی اور تمھیں دنیا سے دس گنا زیادہ بڑی سلطنت عطا کی جائے گی۔(مسلم:باب آخر اھل النار خروجا:479)جنت میں داخل ہونے والے آخری آدمی کو اتنی جگہ عطا فرمانے کے باوجود جنت میں اتنی زیادہ جگہ مزید ہوگی کہ اسے پُر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ایک دوسری مخلوق کو پیدا فرمائے گا''۔(مسلم)

جنت کی نعمتیں : جنت اوراس کی نعمتوں کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَاعَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَعَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ۔(بخاری:کتاب بدء الخلق ،باب ماجاء فی صفة الجنة..3244)''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے(جنت میں)ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہے،نہ کسی کان نے ان کے بارے میں سنا ہے اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کے تعلق سے صحیح تصور پیدا ہوا ہے''۔

دنیا کا سب سے زیادہ پریشان حال اور سب سے زیادہ مصیبت زدہ انسان کو قیامت کے دن حاضر کیا جائے گا اور اس کو جنت میں ایک غوطہ دے کر نکالا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا:هَلْ مَـرَّ بِكَ بُؤْسٌ قَطُّ ؟ کیا تمھیں کبھی کوئی مصیبت لاحق ہوئی تھی؟ یہ مصیبت زدہ انسان کہے گا کہ میں نے کبھی مصیبت اور پریشانی نہیں دیکھی۔(مسلم:باب صبغ أنعم أهل الدنیافی النار:7266)

یہ ہے جنت اوراس کی نعمتوں کی حقیقت۔آگے بڑھنے والوں کو جنت کی طرف آگے بڑھنا چاہیے۔مسابقہ کرنے والوں کو اس کے حصول میں مسابقہ کرنا چاہیے۔قرآن مجید میں جگہ جگہ اہل ایمان کو جنت کی طرف آگے بڑھنے،اس کی طرف دوڑنے،اس کے حصول کے لیے آپس میں مسابقہ اور مقابلہ کرنے پر ابھارا گیا ہے۔سورۂ مطففین میں جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا گیا:

وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۔(المطففین:26)''سبقت کرنے والوں کوان نعمتوں کے حصول کے لیے سبقت کرنی چاہیے''۔

اس جنت کوحاصل کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ ہمیشہ بے چین رہتے اورآپس میں ایک دوسرے پرسبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے جنت کا تذکرہ کیا کہ اس کے آٹھ دروازے ہیں۔ ہرایک کوان کی نیکیوں کے مطابق جنت میں داخل کیا جائے گا۔حضرت ابوبکرؓ دریافت کرتے ہیں:اے اللہ کے رسول!کیا کوئی خوش نصیب ایسا بھی ہوگا جس کو آٹھوں دروازوں سے جنت میں داخل ہونے کے لیے پکارا جائے گا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں!مجھے امید ہے کہ وہ خوش نصیب تم ہو۔(مسلم:باب من جمع الصدقةو أعمال البر:2418)

یہ صرف ابوبکرؓ کا شوق نہیں تھا بلکہ ان کی زندگی اس شوق اورجذبہ کی عملی تفسیر تھی۔کوئی نیکی ایسی نہیں تھی جوان سے چوکی ہو۔ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے چارسوالات کیے۔آج تم میں سے کون روزے سے ہے؟تم میں سے کس نے آج مریض کی عیادت کی؟کس نے آج جنازے میں شرکت کی؟کس نے مسکین کوکھانا کھلایا۔کسی نے اثبات میں جواب نہیں دیا،مگرحضرت ابوبکرؓ ہرسوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کام انجام دیا۔آخرمیں آپؐ نے فرمایا: مَااجْتَمَعَتْ ھٰذِہِ الْخِصَالُ قَطُّ فِیْ رَجُلٍ فِیْ یَوْمٍ اِلَّادَخَلَ الْجَنَّةَ ۔''جوشخص ایک دن میں یہ سارے کام انجام دے،وہ جنتی ہے''۔(صحیح الترغیب والترھیب:953)

ایک موقع پرآپؐ نے فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزارلوگ بغیرحساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔یہ بشارت سن کرحضرت عکاشہؓ نے کہا:اے اللہ کے رسول ﷺ!دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ میرا شماران خوش نصیبوں میں فرمائے۔آپؐ نے فرمایا:تم ان ہی میں سے ہو''۔(بخاری:باب یدخل الجنة سبعون ألفابغیرحساب:6541)

حصول جنت کا آسان نسخہ : جنت کا حصول آسان بھی ہے اورمشکل بھی۔آدمی

خواہشاتِ نفس پر کنٹرول کرے تو جنت کا مستحق بن جاتا ہے اور اگر اپنی خواہشات کو بے لگام چھوڑ دے تو ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ ترمذی میں حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت بنائی تو حضرت جبریلؑ کو جنت اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کرنے کے لیے بھیجا۔ ان نعمتوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد حضرت جبریل نے اللہ تعالیٰ سے کہا: فَوَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا ۔ تیری عزت وجلال کی قسم! جو بھی بندہ اس (جنت اور اس کی نعمتوں) کے بارے میں سنے گا، اس میں داخل ہو کر رہے گا۔ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ جنت کو مشکلات اور مصائب سے گھیر دیں۔ پھر جبریلؑ سے کہا کہ دوبارہ جا کر جنت کا نظارہ کر کے آؤ۔ جبریل نے آ کر کہا: وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خِفْتُ أَنْ لَّا يَدْخُلَهَا أَحَدٌ ۔ اے میرے رب! تیری عزت وجلال کی قسم! (تو نے اس کا حصول اس قدر مشکل بنا دیا ہے کہ) میں نہیں سمجھتا کہ اب کوئی اس میں داخل بھی ہو سکے گا''۔ (ترمذی: بـــاب حفت الجنة بالمكاره.. :2758) غرض آپ ﷺ نے ایک لفظ میں جنت اور جہنم میں داخلے کا نسخہ بتلا دیا۔ جو شخص خواہشات نفس کو کنٹرول میں رکھے، وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو اپنے نفس کو بے لگام چھوڑ دے وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔ (النازعات: 40،41)''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہش کی اتباع سے روکا تو بے شک جنت اس کا ٹھکانا ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حصولِ جنت کا شوق اور اس کے لیے مطلوبہ اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عزت وشرافت کا حقیقی معیار

اس دنیا میں ہر انسان باعزت زندگی گزارنا چاہتا ہے۔اس کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کا احترام کریں،اس کے بارے میں حسنِ ظن رکھیں اور اسے اچھی نظروں سے دیکھیں۔اسلام نے انسان کی اس خواہش کا احترام کیا ہے۔اسلام انسان کی جن چیزوں کی حفاظت کرتا ہے،ان میں سے ایک عزت وشرافت بھی ہے۔چناں چہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ مَالُهُ وَعِرْضُهُ وَدَمُهُ ۔(ابوداؤد:باب فی الغيبة :4884)''ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی دولت، عزت اور خون کی حفاظت واجب ہے''۔

عزت وشرافت کا دنیوی معیار : معاشرے میں عزت کیسے حاصل کی جائے؟ یہ ایک بہت ہی اہم سوال ہے۔عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عزت ،مال ودولت سے،مقام ومرتبہ،عہدہ ومنصب ،حسب نسب اور خاندان وقبیلے سے حاصل ہوتی ہے۔عزت وشرافت حاصل کرنے کے لیے لوگ ان ہی چیزوں کا سہارا لیتے ہیں۔فرعون نے ان ہی چیزوں کو عزت وسربلندی کا ذریعہ سمجھا اور خدائی کا دعوی بھی کر بیٹھا،وہ کہنے لگا:اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الزخرف:51)''کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے،اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟ کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا''۔

کفار ومشرکین مال واولاد کی کثرت کی وجہ سے اپنے آپ کو معزز اور مکرم سمجھتے تھے۔وہ کہا کرتے تھے: نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا. وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ. (سبا:35)''مال واولاد میں ہم بڑھے ہوے ہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم عذاب دیے جائیں''۔

جو شخص ان چیزوں سے محروم ہوتا،وہ اسے عزت واحترام کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کو لوگوں نے اسی لیے ٹھکرایا کہ ان کی اکثریت صاحبِ حیثیت نہیں تھی۔قرآن مجید میں اللہ

تعالیٰ نے اہلِ مکہ کے اس اعتراض کو نقل کیا ہے: وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۔ (الزخرف:31)''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا''۔

حضرت موسیٰؑ کی نبوت پر اعتراض کرتے ہوئے فرعون نے کہا تھا: فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۔(الزخرف:53)''اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے، یا فرشتے اس کے ساتھ صف بنا کر کیوں نہ آگئے''۔

دشمنوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر قومِ بنی اسرائیل نے اپنے رسول سے درخواست کی کہ ہمارے لیے کسی کو امیر مقرر کر دیجیے، تاکہ ہم اس کی قیادت میں اپنے دشمنوں سے جنگ کر سکیں۔ نبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمھارا امیر مقرر کیا ہے۔تم اس کی قیادت میں جنگ کرو۔لوگوں نے طالوت کی سربراہی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۔(البقرۃ:247)''ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حق دار ہو گیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔وہ تو کوئی بڑا مال دار آدمی نہیں ہے''۔

عزت وذلت، یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔وہ جسے چاہے عزت عطا کرتا ہے اور جسے چاہے ذلیل وخوار کر دیتا ہے: وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۔(آل عمران:26)''اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے''۔اسی لیے فرمایا گیا کہ عزت اللہ ہی سے طلب کریں: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا. (فاطر:10)''جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے''۔

ابتدائے اسلام میں کفار ومشرکین اہلِ ایمان کا مذاق اڑاتے، برا بھلا کہتے، طعنے دیتے، ان پر جملے کستے اور انھیں ذلیل وخوار کرنے کے لیے مختلف قسم کے حربے استعمال کرتے۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اور آپ کے اصحابؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ. اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔

(یونس:65)''اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں۔تمام تر عزت اللہ ہی کے لیے ہے''۔

بعض نادان مسلمان کفار و مشرکین کی ظاہری چمک دمک کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی صحبت اختیار کرنے اور ان کو دوست بنانے سے عزت و سر بلندی حاصل ہوگی۔قرآن مجید نے فرمایا: الَّـذِيـنَ يَتَّـخِذُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ مِـنْ دُوْنِ الْـمُـؤْمِـنِينَ ، اَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَـمِيْعًا. (النساء:139)''وہ لوگ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ (تو یاد رکھیں کہ) عزت تو ساری کی ساری اللہ کے قبضہ میں ہے''۔

عزت و شرافت کا اسلامی معیار : (1)۔اسلام کے نزدیک عزت و شرافت کا حقیقی معیار ایمان ہے۔فرمایا گیا: وَلِلّٰهِ الْـعِـزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْـمُـنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (المنافقون:8)''سنو! عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے، لیکن یہ منافق جانتے نہیں''۔

جب مسلمانوں نے فلسطین پر حملہ کیا تو وہاں کے عیسائی صلح کے لیے آمادہ ہوے، اس شرط پر کہ امیر المومنین خود آ کر صلح کی باتیں طے کریں۔مسلمانوں کے کمانڈر حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے امیر المومنین کو حقیقتِ حال سے واقف کرایا۔امیر المومنین مدینہ سے ملکِ شام کی طرف روانہ ہوے۔ راستے میں ان کا گزر ایک دریا پر سے ہوا، وہ اپنی اونٹنی سے اترے، اپنے جوتے اتار کر کندھوں پر رکھ لیے اور اونٹنی کی لگام پکڑ کر پیدل چلنے لگے۔حضرت عمرؓ کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت ابوعبیدہؓ حیرت میں پڑ گئے، اور کہنے لگے کہ امیر المومنین! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپؓ ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہیں، جن پر آپؓ کا رعب اس قدر طاری ہے کہ وہ آپؓ کا نام سن کر ہی کانپ جاتے ہیں۔اگر وہ آپؓ کو اس حالت میں دیکھیں گے تو ان کے دلوں سے آپؓ کی ہیبت جاتی رہے گی۔اس وقت حضرت عمرؓ نے سرزنش کرتے ہوے فرمایا: لَوْ يَـقُـوْلُ ذَا غَيْـرُكَ اَبَـا عُبَيْـدَةَ! جَـعَلْتُـهُ نَكَالًا لِأُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔اے ابوعبیدہ! اس طرح کی بات اگر تمھارے علاوہ کوئی اور کہتا تو میں ایسی سزا دیتا کہ وہ امتِ

مسلمہ کے لیے باعثِ عبرت ہوتی۔ پھر آپؓ نے یہ تاریخی جملہ فرمایا: اِنَّا کُنَّا أَذَلَّ قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ فَمَهْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّ بِغَيْرِمَا أَعَزَّنَا اللّٰهُ بِهِ أَذَلَّنَا اللّٰهُ. ''ہم دنیا کی ذلیل ترین قوم تھے، اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بدولت ہمیں عزت اور سر بلندی عطا فرمائی۔ اگر ہم اسلام کی بجائے دوسری چیزوں میں عزت حاصل کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل وخوار کردے گا''۔ (صحیح الترغیب والترھیب : 2893)

(2)۔عزت وشرافت کا معیار تقوی اور دین داری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات:13) ''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیے ہیں۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے''۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا : أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلىٰ عَجَمِيٍّ وَلَا عَجَمِيٍّ عَلىٰ عَرَبِيٍّ وَلَا أَحْمَرَ عَلىٰ أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلىٰ أَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوى۔(السلسلۃ الصحیحۃ: 2700) ''کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں ہے، اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت ہے۔ نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر فوقیت ہے، فضیلت و برتری کا معیار تقوی ہے''۔

(3) عزت وسر بلندی دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہے: جیسا کہ فرمایا گیا: وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا، فَاُولٰۗئِكَ لَهُمْ جَزَاۗءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ. (سبا:37) ''اور تمھارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمھیں ہمارے پاس (مرتبوں سے) قریب کر دیں، ہاں جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لیے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے، اور وہ نڈر و بے خوف ہو کر بالا خانوں میں رہیں گے''۔

آپ ﷺ کے زمانے میں ایک کالی کلوٹی اور بدصورت عورت تھی ۔ مدینہ میں اس کا کوئی

ٹھکانا نہیں تھا۔ مسجد کے ایک کنارے میں اس کا خیمہ تھا۔ وہیں رہتی اور مسجد کی خدمت کیا کرتی تھی۔ ایک دن رات کے وقت اس کا انتقال ہوگیا۔ صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کو اطلاع دیے بغیر اس کی نمازِ جنازہ ادا کی اور دفن کردیا۔ صبح جب آپ ﷺ نے اس عورت کو نہیں پایا تو صحابہ کرامؓ سے اس کے بارے میں دریافت کیا، صحابہؓ نے کہا: رات میں اس کا انتقال ہوگیا تھا، ہم نے آپ ﷺ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا، اس کی نماز جنازہ ادا کی اور رات ہی میں دفن کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس کی قبر بتاؤ، آپؐ اس کی قبر کے پاس تشریف لے گئے اور نمازِ جنازہ ادا کی''۔ (بخاری: باب کنس المسجد و التقاط الخرق: 458)

وہ عورت، جس کا حسب نسب کے اعتبار سے معاشرے میں کوئی مقام نہیں تھا، مگر مسجد کی خدمت کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک اس کا مقام اتنا اونچا تھا کہ آپؐ نے اس کی قبر کے پاس جا کر نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔ جیسا کہ امام ابن بطالؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: فِيهِ الْحَضُّ عَلٰى كَنَسِ الْمَسْجِدِ وَتَنْظِيفِهَا لِأَنَّهُ ﷺ إِنَّمَا خَصَّهُ بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ بَعْدَ دَفْنِهِ لِأَجَلِ ذٰلِكَ۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال: کتاب الصلاۃ) ''اس حدیث میں مسجد کی پاکی صفائی پر ابھارا گیا ہے، تدفین کے بعد آپؐ کا اس عورت کی نمازِ جنازہ ادا کرنا، اس کام کی اہمیت کو اجاگر کرنے ہی کے لیے تھا''۔

(4) حقیقی عزت و سربلندی کتاب اللہ کو یاد کرنے، اس کی تلاوت کرنے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ۔ (مسلم: باب فضل من یعلم بالقرآن ویعلمہ.. :1934) ''اللہ تعالیٰ اس کتاب پر عمل کرنے کی وجہ سے لوگوں کو عزت اور سربلندی عطا کرتا ہے اور اس کو ترک کرنے کی وجہ سے ذلیل و خوار کردیتا ہے''۔

علامہ اقبال نے اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے ؎

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر   اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

قرآن مجید پڑھنے اور یاد کرنے سے کیسے عزت حاصل ہوتی ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے

لگایا جاسکتا ہے۔غزوۂ احد کے موقع پر ستر صحابہ کرامؓ شہید ہوے،آپ ﷺ نے ایک قبر میں دو دو، تین تین صحابہ کرامؓ کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ جب شہید کو قبر میں اتارا جاتا تو آپ ﷺ پوچھتے کہ ان میں کس نے قرآن مجید کا زیادہ حصہ حفظ کیا؟ صحابہ کرامؓ جس کی طرف اشارہ کرتے ، اسے قبر میں پہلے اتارا جاتا۔(مسند بزار)

نماز کی امامت یہ بہت ہی اہم اعزاز ہے،آپ ﷺ یہ اعزاز اسی شخص کو عطا کرتے جو کتاب اللہ کا حافظ اور عالم ہوتا۔حضرت ابو مسعودؓ کی روایت ہے،رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:یَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَقْدَمُهُمْ قِرَاءَ ةً ..(مسلم:باب من أحق بالإمامة:1566)''لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جو کتاب اللہ کی کثرت سے تلاوت کرتا ہو اور اس کا زیادہ علم رکھتا ہو'۔

حضرت عمرو بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ ہمارا قبیلہ لوگوں کی گزرگاہ کے قریب پانی کے ایک چشمہ پر واقع تھا۔ جب بھی وہاں سے لوگوں کا گزر ہوتا،ہم رسول اکرم ﷺ کے بارے میں پوچھتے۔وہ جواب دیتے کہ اس کا دعوی ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے بھیجا ہوا رسول ہے۔میں ان راہ گیروں سے قرآن مجید سن کر حفظ کرلیا کرتا تھا۔اس طرح میں نے اکثر حصہ قرآن کا یاد کرلیا۔فتح مکہ کے بعد قبائلِ عرب تیزی کے ساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔میرے والد بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوے۔ جب واپس لوٹے تو فرمایا:جِئْتُكُمْ وَاللّٰهِ!مِنْ عِنْدِالنَّبِيِّ ﷺ حَقًّا۔فَقَالَ:صَلُّوْا صَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا،وَصَلُّوْا صَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا ۔''میں تمھارے پاس اللہ کی جانب سے بھیجے گئے رسول کے پاس سے آرہا ہوں۔آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھو،فلاں نماز فلاں وقت پر پڑھو، اور جب نماز کا وقت ہوجائے تو تم میں سے کوئی اذان دے اور جو قرآن مجید کا زیادہ علم رکھتا ہو،وہ امامت کرے،(عمرو بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ)میری قوم میں مجھ سے زیادہ علم والا کوئی نہیں تھا،کیوں کہ میں راستے سے گزرنے والے لوگوں سے سن کر قرآن یاد کرلیا کرتا تھا۔چناں چہ میری قوم کے لوگوں نے مجھے اپنا امام مقرر کیا،اس وقت میری عمر چھے یا سات سال تھی۔(بخاری:باب قول

النبی مضت الهجرة لأهلها:4302)

ابتدائے اسلام میں عہدہ ومنصب بھی اسی شخص کو عطا کیا جاتا جو قرآن مجید کا عالم ہوتا۔حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک شخص ابن ابی ابزیٰؓ کو ایک بڑے عہدے پر فائز کیا، تو کسی نے کہا:اے امیر المومنین! آپؓ نے ایک غلام کو اتنے عظیم عہدے پر فائز کیا ہے؟ آپؓ نے کہا:اِنَّهُ قَارِئٌ لِكِتَابِ اللّٰهِ (مسلم:باب فضائل القرآن:1934)''وہ قرآن مجید کو اچھی طرح پڑھنے والا اور جاننے والا ہے''۔

آپؓ نے واضح کر دیا کہ اگرچہ وہ حسب نسب کے اعتبار سے بلند مقام نہیں رکھتا مگر قرآن کے علم کی وجہ سے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی تکریم کی جائے اور اس کو عہدہ ومنصب عطا کیا جائے۔

عزت وشرافت کے ان حقیقی معیارات کے علاوہ معاشرے میں جو غلط معیار رائج تھے آپ ﷺ نے انھیں ختم کر دیا۔خاندان کو شرافت کا معیار سمجھا جاتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ۔(مسلم:باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن:7028)''جو عمل میں پیچھے رہے، خاندان اسے بلندی نہیں عطا کرتا''۔

قریش کو اپنے قبائل پر ناز تھا۔آپ ﷺ نے ایک ایک قبیلے کا نام لے کر فرمایا: أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا۔(صحیح الجامع الصغیر:7983)''اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو، میں اللہ کے دربار میں تمھارے کچھ کام نہیں آسکتا''۔

عربوں میں غلام اور لونڈیوں کا کوئی مقام نہیں تھا۔معاشرے میں انھیں حقیر نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ایمان اور اسلام کی بنیاد پر آپ ﷺ نے انھیں بلند مقام عطا کیا۔حضرت زینبؓ کا تعلق قریش جیسے معزز قبیلہ سے تھا، آپ ﷺ نے ان کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ سے کروایا، اور یہ ثابت کیا کہ عزت وشرافت کا حقیقی معیار نسل اور خاندان نہیں بلکہ ایمان اور تقویٰ ہے۔

غزوۂ موتہ میں آپ ﷺ نے بڑے بڑے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں حضرت زیدؓ کو فوج کا کمانڈر بنایا۔ 11ھ میں آپ ﷺ نے رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے جو لشکر تیار کیا تھا، اس کا کمانڈر ان کے

بیٹے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو مقرر کیا، جب کہ اس لشکر میں بڑے بڑے صحابہ موجود تھے۔

حضرت بلال بن ابی رباحؓ امیہ بن خلف کے غلام تھے، قبولِ اسلام کی وجہ سے امیہ بن خلف نے انھیں ہر طرح سے ستایا اور تکلیفیں دیں، مگر وہ اسلام سے باز نہیں آئے، اسے یقین ہو گیا کہ اب ان سے کوئی کام بننے والا نہیں، اسی دوران حضرت ابوبکرؓ امیہ بن خلف کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں بلالؓ کو خریدنا چاہتا ہوں، اس نے خوش ہو کر کہا: خُذْهُ وَلَوْ بِعَشَرَةِ دَنَانِيْرَ ۔''دس دینار ہی میں سہی اسے لے لو (اب یہ میرے کام کا نہیں)''۔ وہ بلال کو محض ایک غلام سمجھتا تھا مگر ابوبکرؓ کے نزدیک ایمان کی وجہ سے ان کا مرتبہ بہت ہی بلند تھا۔ وہ کہنے لگے: وَاللّٰهِ! لَوْ جَعَلْتَ ثَمَنَهُ مِائَةَ أَلْفِ دِيْنَارٍ لَاشْتَرَيْتُهُ بِذٰلِكَ (موسوعة الخطب والدروس) ''اللہ کی قسم! اگر تم اس کی قیمت ایک لاکھ دینار بھی مقرر کرتے تو میں ضرور اتنی خطیر رقم دے کر انھیں خرید لیتا''۔ وہ اہل ایمان کی نظر میں غلام نہیں بلکہ سردار تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے: أَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا وَأَعْتَقَ بِلَالًا سَيِّدَنَا ۔(التبصرة لابن الجوزي: باب في فضل ابی بكر) ''ابوبکرؓ ہمارے آقا ہیں۔ انھوں نے ہمارے آقا بلالؓ کو آزاد کیا''۔

اسلام میں سب سے پہلے اذان دینے کا شرف بھی آپ ﷺ نے ان ہی آزاد کردہ غلام حضرت بلالؓ کو عطا کیا۔ فتحِ مکہ کے وقت جب کہ کعبۃ اللہ کے صحن میں مکہ کے سارے لوگ جمع تھے، اذان کا وقت ہوا تو کعبۃ اللہ میں پہلی اذان دینے کا اعزاز بھی ان ہی کو حاصل رہا۔

یہ ہے حقیقی عزت اور سربلندی جو صرف اسلام اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں حقیقی عزت اور سربلندی عطا فرمائے ۔آمین ✦✦✦

حصولِ برکت کے ذرائع

موجودہ دور ترقی یافتہ دور کہلاتا ہے۔آج کے انسان کے پاس رہنے کے لیے عالی شان عمارتیں، سیر وتفریح اورآمدورفت کے لیے آرام دہ گاڑیاں اور ہرطرح کی زیب وزنیت کے سامان موجود ہیں۔نہ اسباب ووسائل کی کمی ہے اور نہ مال ودولت کی قلت ہے۔زندگی کے ہر میدان میں اس نے ترقی کی ہے، بلکہ وہ کرۂ ارضی سے آگے بڑھ کر چاند پر قدم جمارہا ہے،ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اورسورج کی شعاعوں کوگرفتار کررہا ہے۔عیش وعشرت کی اس فراوانی اوراسباب ووسائل کی اس بہتات کے باوجودآج وہ اپنی زندگی میں ایک خلامحسوس کررہا ہے۔سب کچھ پانے کے باوجود اسے ایسامحسوس ہورہا ہے کہ کچھ پایا ہی نہیں۔وہ ایک ایسی نامعلوم چیز کی تلاش میں ہے جس کے بغیر اس کی زندگی لذت وسرود سے یکسرمحروم اور سکون واطمینان سے عاری ہوچکی ہے۔یہی وہ چیز ہے جس کواحادیث میں ''برکت'' کہا گیا ہے۔اگرانسان کو یہ چیز حاصل ہوجائے توتھوڑاسامال بھی کافی ہوجاتا ہے اوراگر مال ودولت میں اوروسائلِ معاش میں برکت نہ ہوتو قارون کاخزانہ بھی اس کے لیےناکافی ہوگا۔وہ زبان حال سے ''هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ '' کی صدالگاتا ہوانظرآئے گا۔آج کاانسان اسی عظیم دولت سےمحروم ہے۔

برکت کامعنی اور مفہوم : برکت کے معنی ''خیرِ کثیر'' کے ہیں۔یعنی کوئی چیز حقیقت کے اعتبار سے کم ہواس کے باوجوداس سے انسان کی ساری ضرورتیں پوری ہوں۔احادیث کی کتابوں میں ہمیں اس کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے،وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے،پانی ختم ہوگیا،پانی کی شدید ضرورت پیش آئی توصحابہؓ نے آپ ﷺ سے شکایت کی،آپ ﷺ نے کہا کہ جن کے پاس بھی تھوڑابہت پانی ہے وہ جمع کرکے میرے پاس لے

آ ئیں ۔بچا کچا پانی ایک برتن میں جمع کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ رکھ کر برکت کی دعا کی اور صحابہؓ سے فرمایا: حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِالْمُبَارَكِ ،وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ ۔’’ آؤاس بابرکت پانی سے اپنی ضرورتیں پوری کرو،اور برکت اللہ کی جانب سے نازل ہوتی ہے‘‘۔راوی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: فَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ۔’’میں نے دیکھا کہ پانی آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے نکل رہا تھا‘‘۔(بخاری:باب علامات النبوۃ:**3573**)

اس مختصر پانی سے تمام صحابہؓ نے اپنی ضرورتیں پوری کیں مگر پانی میں کچھ کمی واقع نہیں ہوی۔

خیر و برکت کا تعلق مال ودولت ،گھر بار،تجارت اور کاروبار،اہل وعیال،علم وعمل ،وقت اور عمر،ذہانت وصلاحیت،غرض ہر چیز سے ہے۔ان میں سے جس چیز میں بھی برکت ہوگی وہ انسان کے لیے مفید ثابت ہوگی اور جس چیز سے برکت سلب کر لی جائے گی،وہ فائدے سے خالی ہوگی اور بسا اوقات نقصان کا باعث بھی ہوگی۔اس لیے ان میں سے ہر چیز کو بابرکت بنانے کی فکر کرنی چاہیے۔

احادیث میں خیر وبرکت پر بہت زیادہ توجہ دلائی گئی ہے۔حضرت انسؓ آپ ﷺ کے ان خادموں میں سے ہیں جنھوں نے اپنی ساری زندگی آپؐ کی خدمت میں گزاردی ۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے خوش ہوکر ان کے حق میں دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيْمَا أَعْطَيْتَهُ ۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: **141**) ’’اے اللہ ! ان کے مال واولاد میں اضافہ فرما اور جو بھی دے،اس میں برکت عطا فرما‘‘۔

حصولِ برکت کے ذرائع : 1۔سب سے پہلا ذریعہ ایمان اور تقوی ہے۔ایمان اور تقوی ہر قسم کی بھلائی کا سرچشمہ ہیں۔دنیاوآخرت کی ہر بھلائی انہی دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔خیر وبرکت کا منبع بھی یہی دو چیزیں ہیں۔جیسا کہ ارشاد باری ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۔(الأعراف:**96**)’’اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول

دیتے‘‘۔

2۔صلہ رحمی: رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کوصلہ رحمی کہا جاتا ہے۔مال اور عمر میں خیر و برکت کے لیے صلہ رحمی بہت ہی اہم ذریعہ ہے۔آپ ﷺ کاارشاد ہے:مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَـهُ فِيْ رِزْقِـهِ وَيُنْسَأَ لَـهُ فِيْ أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَـهُ ۔ (بخاری:بـاب مـن بسـط له فی الرزق بصله الرحم:5985)’’جوشخص چاہتا ہوکہ اس کے رزق میں کشادگی اور عمر میں اضافہ ہوتو اسے چاہیے کہ رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے‘‘۔

’’عہد نبوی میں دو بھائی تھے،ایک محنت مزدوری کر کے کمایا کرتا تھا،دوسرا طلبِ علم میں رہتا تھا۔محنت مزدوری کرنے والے نے آکر شکایت کی کہ میرا بھائی میری کچھ مدد نہیں کرتا،تنہا مجھ ہی کو کمانا پڑتا ہے،آپ ﷺ ذرا اسے سمجھایئے۔آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:لَعَلَّكَ تُرْزَقُ لَهُ۔’’ممکن ہے تمھیں اسی کی برکت سے رزق دیا جار ہا ہو‘‘۔(ترمذی:باب فی التوکل علی اللہ:2516)

3۔حرص وطمع جیسے منفی جذبات سے پاک ہوکر مال کمانا: حرص وطمع ایسی بیماری ہے جوانسان کے اندر بہت سی برائیاں پیدا کردیتی ہے،اس کی وجہ سے انسان آخرت سے بے خوف اور دنیا کا پرستار بن جاتا ہے۔دوسروں کے مال میں بے جا تصرف کرنے،حق تلفی اور دست درازی کرنے اور ناجائز طریقوں سے مال کمانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔یہی وہ چیز ہے جس سے مال ودولت اور تجارت وکاروبار سے برکت نکال لی جاتی ہے۔اس کے برعکس حرص وہوس کے منفی جذبات سے بچ کر آدمی مال ودولت کماتا ہے تو اس میں اللہ کی جانب سے خیر و برکت نازل ہوتی ہے۔چناں چہ آپ ﷺ کاارشاد ہے: إِنَّ هٰـذَا الْـمَـالَ خَـضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسِهِ بُورِكَ لَهُ فِيهِ وَمَنْ أَخَـذَهُ بِـإِشْرَافِ نَفْسِهِ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ وَكَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَايَشْبَعُ۔(بخاری:باب ما كان النبـی ایـعـطی . . :3143)’’یہ مال سرسبز وشاداب اور شیریں ہے۔جو اس شخص کو پاکیزہ نفس کے ساتھ لیتا ہے تو اس کے لیے اس کے مال میں برکت عطا کی جاتی ہے اور جو حرص وطمع کے جذبات کے

ساتھ لیتا ہے تو اس کے لیے برکت نہیں دی جاتی ،اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا''۔

4۔ کھانے پینے میں اسلامی آداب کا اہتمام: کھانے پینے میں اسلامی آداب کا اہتمام حصول برکت کا اہم ترین ذریعہ ہے۔موجودہ دور میں کھانے پینے میں بہت زیادہ بے اعتدالی برتی جاتی ہے۔اہلِ مغرب کا مسلمانوں پر اس قدر اثر ہوا ہے کہ وہ کھانے پینے میں فضول خرچی اور مغرب کی نقالی کو روشن خیالی اور تہذیب وترقی کی علامت سمجھنے لگے ہیں۔اسلام نے کھانے کے جو آداب بتائے ہیں ان کو نظر انداز کر رہے ہیں،جس کی وجہ سے برکت مفقود ہوتی جارہی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے کھانے کے آداب تفصیل سے بتائے ہیں۔ان کو اپنانے سے برکت کا نزول ہوتا ہے۔ان میں سے چند آداب یہ ہیں:

(1)۔بسم اللہ کہہ کر کھانے کا آغاز کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:اِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامَهُ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔(الترغیب والترھیب:2107)''جب تم کھانا شروع کرو تو ''بسم اللہ'' پڑھ لیا کرو''۔بسم اللہ نہ پڑھنے کی وجہ سے خیر وبرکت ختم ہوجاتی ہے۔حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنے چھ اصحاب کے ساتھ کھانا تناول فرمارہے تھے۔ایک دیہاتی آیا اور (بسم اللہ کہے بغیر) کھانے لگا۔آپ ﷺ نے فرمایا:أَمَا اِنَّهُ لَوْ سُمِّيَ لَكَفَاكُمْ ۔اگر یہ شخص ''بسم اللہ'' کہتا تو یہ کھانا تم سب کے لیے کافی ہوجاتا''۔(**ترمذی**:باب ماجاء فی التسمية على الطعام :1978)

(2)۔کھانا برتن کے کنارے سے کھانا چاہیے: آپ ﷺ کا ارشاد ہے:اِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ فَكُلُوْا مِنْ حَافَّتَيْهِ وَلَاتَأْكُلُوْا مِنْ وَسَطِهِ ۔(**ترمذی**:باب كراهيةالاكل من وسط الطعام :1918)''برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے۔لہذا کناروں سے کھانا کھاؤ۔درمیان سے مت کھاؤ''۔

(3)۔کھانے کے بعد برتن اور انگلیاں اچھی طرح چاٹ لینا چاہیے: حضرت انسؓ فرماتے

ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کھانا کھالیتے ،تواپنی تینوں انگلیوں کواچھی طرح چاٹ لیتے اورفرماتے :جب تم میں سے کسی کالقمہ گرجائے تواسے صاف کرکے کھالے اورشیطان کے لیے نہ چھوڑے۔ نیزآپ ﷺ نےحکم دیاکہ پلیٹ کوبھی چاٹ لیاکرو،کیوں کہ تمھیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کس دانے میں برکت ہے''۔(ترمذی:باب ماجاء فی اللقمة تسقط:1916)

(4)۔مل جل کرکھانا بھی خیروبرکت کاذریعہ ہے:آپ ﷺ کاارشادہے:کُلُوْا جَمِیْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا فَاِنَّ الْبَرْکَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ۔(ابن ماجۃ:باب الاجتماع علی الطعام :3412)''مل جل کرکھاؤ،الگ الگ نہ کھاؤ،کیوں کہ برکت جماعت کےساتھ ہوتی ہے''۔

وحشی بن حربؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیاکہ اے اللہ کے رسول ﷺ!ہم کھانا کھاتے ہیں مگرسیرنہیں ہوتے؟آپ ﷺ نے فرمایا:شایدتم الگ الگ کھاتے ہو؟انھوں نے جواب دیا:ہاں!آپ ﷺ نےفرمایا:فَاجْتَمِعُوْا عَلٰی طَعَامِکُمْ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ یُبَارَكْ لَکُمْ فِیْہِ۔(ایضا:3411)''مل کرکھایاکرو،اورکھانے سےقبل اللہ کانام لیاکرو،اس سےتمھارے کھانے میں برکت ہوگی''۔

5۔برکت کی دعاکرنا:خیروبرکت اتنی اہم چیزہے کہ اس کوطلب کرنے کے لیےآپ ﷺ نے دعائیں سکھلائی ہیں۔اس سلسلے میں آپ ﷺ سےکئی دعائیں منقول ہیں،جن میں سے چندیہ ہیں۔ا۔اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَافِیْہِ وَارْزُقْنَاخَیْرًامِّنْہُ۔(ابن ماجہ: باب اللبن: 3447)''اےاللہ! ہمارے لیےاس کھانے میں برکت دے،اوراس سےبہتررزق عطافرما''۔

دعائےقنوت کاایک جملہ یہ بھی ہے:وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا أَعْطَیْتَ۔(ابوداؤد:باب القنوت فی الوتر:1427)''توجوبھی دے،اس میں برکت عطافرما''۔

6۔تجارت میں سچ بولنا:کسبِ مال اورحصول معاش کاایک اہم ذریعہ تجارت ہے۔اکثر لوگوں کے معاش کادارومدارلین دین اورتجارت پرہوتاہے۔خریدوفروخت میں جوخرابیاں بہت عام ہیں،ان میں سےایک جھوٹ ہے۔بہت کم تاجرایسے ہوتے ہیں جواس خرابی سے پاک ہوتے ہیں۔

تجارت میں سچائی خیر وبرکت کا باعث ہے جب کہ جھوٹ اور غلط بیانی خیر وبرکت کو ختم کر دیتی ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَا لَمْ یَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَبَیَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِیْ بَیْعِهِمَا وَاِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَیْعِهِمَا۔(بخاری:باب البیعان بالخیار مالم یتفرقا :2110)''خرید وفروخت کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں،اگر وہ سچ بولیں اور صاف صاف بیان کریں تو دونوں کی خرید وفروخت میں برکت ہوگی اور اگر وہ جھوٹ سے کام لیں اور چھپائیں تو ان کی تجارت سے برکت اٹھالی جاتی ہے''۔

7۔کسی بھی معاشرے کے لیے بڑوں کی موجودگی،ان کی رہ نمائی اور سر پرستی اور ان کا سایۂ عاطفت بھی خیر وبرکت کا ذریعہ ہوتا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:اَلْبَرَكَةُ مَعَ اَكَابِرِكُمْ ۔(صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ:2884)''تمھارے بڑوں کی موجودگی تمھارے لیے خیر وبرکت کا باعث ہے''۔اس حدیث کی تشریح میں فیض القدیر کے شارح نے لکھا ہے:اَلْمَجَرِّبِیْنَ لِلْاُمُوْرِ الْمُحَافِظِیْنَ عَلٰی تَكْثِیْرِ الْاُجُوْرِ فَجَالِسُوْهُمْ لِتَقْتَدُوْا بِرَأْیِهِمْ وَتَهْتَدُوْا بِهَدْیِهِمْ۔''ان کے بابرکت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تجربہ کار ہوتے ہیں،کثرتِ عبادت کی وجہ سے زیادہ اجر وثواب والے ہوتے ہیں،اس لیے ان کے مشوروں کو قبو ل کرو اور ان کے راستے کی پیروی کرو''۔(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: 3205)

تبرک حاصل کرنے کی شرعی حیثیت : انسان کا دین اور دنیا کی مطلوبہ اشیاء میں برکت یعنی اضافہ اور زیادتی طلب کرنا تبرک کہلاتا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے کچھ اوقات، اشیاء اور مقامات کو بابرکت بنایا ہے۔

بابرکت اوقات :اللہ تعالیٰ نے جن اوقات کو بابرکت بنایا ہے،ان میں نیکیاں کرنے سے اجر وثواب میں اضافہ ہوتا ہے،مثلاً:

1۔ماہ رمضان ،اس مہینے کی عبادتوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایمان

اوراحتساب کے ساتھ رمضان میں روزے رکھے،اوراس کی راتوں میں قیام کرے تواس کے اگلے اورپچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔(ابوداؤد:باب فی قیام شھررمضان:1374)

2۔لیلۃ القدر:اس کی عبادت کااجروثواب ہزارمہینوں کی عبادت سے افضل بتایا گیا۔ (القدر:3)

3۔عشرۂ ذی الحجہ:ان ایام میں کیے جانے والے نیک اعمال کودیگرایام کے مقابلے میں افضل قراردیا گیا۔

4۔یوم عاشورا:اس دن کے روزے کی آپ ﷺ نے یہ فضیلت بتائی کہ اس کی برکت سے پچھلے ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔(مسلم:باب استحباب ثلاثة أيام من كل شهروصوم يوم عرفة وصوم يوم عاشوراء:2804)

5۔یوم عرفہ: اس دن کے روزے کی آپ ﷺ نے یہ فضیلت بیان کی کہ اس سے اگلے اورپچھلے دوسال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔(مسلم:ایضا:2804)

6۔یومِ جمعہ:اس دن کی یہ فضیلت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی گھڑی رکھی ہے جس کومسلمان بندہ نماز کی حالت میں پالے اوروہ اللہ سے جس چیز کا بھی سوال کرے ،وہ اسے ضرورعطا کرے گا‘‘۔(بخاری:باب الساعة التي في يوم الجمعة:935)

7۔پیراورجمعرات کے دن: پیراورجمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں،اور ہراس شخص کوبخش دیا جاتا ہے جس نے اللہ کے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھہرایا ہو،سوائے اس آدمی کے جس کی دوسرے بھائی کے ساتھ ناراضی ہو۔ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھیں مہلت دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کرلیں‘‘۔(مسلم:باب النھی عن الشحناء والتھاجر)رات کا آخری تہائی حصہ نزولِ الٰہی کا وقت ہے۔اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیاپرتشریف لاتا ہے۔چناں چہ اس وقت دعااوراستغفار کرنے والوں کے لیے عظیم برکت اترتی ہے۔

اسی طرح کچھ اوقات ایسے ہیں، جن میں دنیوی اعمال کیے جائیں تو زیادہ ثمر آور ہوتے ہیں۔مثلاً صبح کا وقت، یہ بہت ہی بابرکت وقت ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: بورك لأمتي في بكورها ۔(الجامع الصغیر وزیادتہ: **5152**) ''میری امت کے لیے صبح کے اوقات میں برکت رکھ دی گئی ہے''۔اور آپ ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی ہے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا۔(ابوداؤد: باب في الابتكار في السفر: **2608**) ''اے اللہ! میری امت کے لیے اس کے صبح کے اوقات میں برکت عطا فرما''۔

آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کسی سریہ یا لشکر کو محاذِ جنگ پر روانہ کرتے تو صبح سویرے روانہ کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنے بچوں کو فجر بعد سوتے ہوئے دیکھتے تو ان کی سرزنش کرتے اور فرماتے: إِنَّهَا سَاعَةٌ تُقْسَمُ فِيْهَا الْأَرْزَاقُ وَتَكُوْنُ فِيْهَا الْبَرَكَةُ ۔''یہ ایسی گھڑی ہے جس میں رزق تقسیم ہوتے ہیں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے''۔(زاد المعاد: ج4/ 221)

حضرت صخر بن وداعہ غامدیؓ تاجر تھے، وہ اپنے تاجروں کو صبح سویرے تجارت کے لیے روانہ کرتے۔(ابوداؤد: باب في الابتكار في السفر: **2608**)

''اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''اوقات'' کے مختلف درجات اور مراتب ہیں۔کچھ اوقات کی خصوصیت اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ ہی ہے۔اسی اعتبار سے خیر، فضیلت اور برکت بھی زیادہ ہے۔اور ان اوقات میں برکات کا حصول بھی مشروع اور جائز طریقہ پر ہی ہوسکتا ہے ۔ اگر کوئی شخص کسی ناجائز عمل کے ذریعے ان اوقات کی برکات حاصل کرنا چاہے تو وہ یقیناً محروم رہے گا۔کیوں کہ برکت کا حصول ''عبادت'' ہے اور عبادت کی متعین شرطیں ہیں۔اور جو شخص عبادت کی کسی شرط میں کمی کرتا ہے تو وہ اپنی بدعت کی وجہ سے متوقع برکت کو ضائع کر بیٹھتا ہے، جس کی وجہ سے اسے مطلوبہ برکت حاصل ہونے کی بجائے الٹا نحوست حاصل ہوتی ہے''۔(جائز اور ناجائز تبرک: **45**)

بابرکت اشیاء : بعض چیزوں کو بھی احادیث میں بابرکت بتایا گیا ہے۔

1۔زیتون کا تیل: آپ ﷺ کا ارشاد ہے: زیتون کا تیل کھاؤ اور بدن پر لگاؤ، یہ مبارک درخت سے حاصل ہوتا ہے۔(ترمذی: باب أکل الزیت :1969) قرآن مجید میں زیتون کی قسم کھائی گئی۔(التین :۲) اور ایک جگہ اس کو مبارک درخت کہا گیا۔(النور:35)

2۔دودھ: یہ بھی مبارک مشروب ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ دودھ عنایت فرمائے تو اسے یوں کہنا چاہیے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَافِيْهِ وَزِدْنَامِنْهُ ۔(ابوداؤد: باب مایقول اذا شرب اللبن:3732)''اے اللہ! تو ہمارے لیے اس میں برکت اور کثرت عطا فرما''۔

3۔حبۃ السوداء(کلونجی): کلونجی میں موت کے علاوہ ہر بیماری کے لیے شفا ہے''۔(ترمذی: باب الحبة السوداء:2176)

4۔عجوہ کھجور: جو شخص صبح سویرے عجوہ کھجور کے سات دانے کھالے، اسے اس دن کوئی زہر یا جادو نقصان نہ پہنچائے گا۔(ابوداؤد: باب فی تمرة العجوة:3878)

5۔آبِ زم زم: اس کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے: یہ بابرکت پانی صحت بخش غذا بھی ہے''۔(مسلم: کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أبی ذر)

6۔شہد: یہ بھی بابرکت اشیاء میں سے ہے، ایک صحابی نے اپنے بھائی کے پیٹ میں درد اور اسہال کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے شہد پلانے کا مشورہ دیا۔(بخاری: باب الدواء بالعسل)

7۔بارش کا پانی۔قرآن مجید میں اس کو ''بابرکت پانی'' کہا گیا ہے۔(ق:9)

مذکورہ اشیاء سے برکت اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے جب کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انہی کاموں کے لیے استعمال کریں، جن کاموں کے لیے استعمال کرنے کا شریعت ہمیں حکم دیتی ہے۔ورنہ ان سے برکت حاصل نہیں ہوتی۔

بابرکت مقامات : اللہ کی اس زمین میں کچھ مخصوص مقامات ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خاص برکت رکھی ہے۔جن میں سے چند یہ ہیں۔

1۔مسجد: مسجد بڑی بابرکت جگہ ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ

مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ أَسْوَاقُهَا ۔(**مسلم**:باب فضل الجلوس فی مصلاہ بعد الصبح: **1560**)''اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین جگہ مساجد ہیں اور ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں''۔

مساجد میں سب سے ممتاز مسجدِ حرام ،مسجدِ نبوی ،مسجدِ اقصی اور مسجدِ قباء ہیں۔ان میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ دیگر مساجد کے مقابلے میں ان میں عبادات کا اجر وثواب زیادہ ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:صَلَاةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ۔(**ابن ماجہ**:باب ماجاء فی فضل الصلاۃ فی المسجدالحرام... **1471**:)''میری مسجد (مسجدِ نبوی) میں پڑھی جانے والی ایک نماز (دیگر مسجدوں کے مقابلے میں) ہزار نمازوں سے افضل ہے،سوائے مسجدِ حرام کے۔مسجدِ حرام میں پڑھی جانے والی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے''۔

مسجدِ قباء کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے مسجدِ قبا آ کر نماز پڑھتا ہے،اسے ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے''۔(ترمذی:باب الصلاۃ فی مسجدقباء:**325**)

مسجد سے برکت وتبرک کا حصول اس کی مٹی یا درودیوار کے چھونے یا چومنے چاٹنے میں نہیں،کیوں کہ تبرک ایک قسم کی عبادت ہے اوراس میں شرط اتباعِ رسول ہے۔تو مسجد سے تبرک کا حصول اعتکاف کرنے ،قرآن مجید کی تلاوت کرنے ،ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے،وہاں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے ،وعظ ونصیحت کی مجلس میں شریک ہونے اور دیگر شرعی اعمال میں ہے ۔البتہ عبادت کی غرض سے مسجدِ حرام ،مسجدِ نبوی ،مسجدِ اقصی اور مسجدِ قبا کا سفر بھی کیا جاسکتا ہے۔ان کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف عبادت کی غرض سے سفر کرنا جائز نہیں۔ اور جو کام شرعاً جائز نہیں ہیں،ان میں برکت نہیں ہوتی بلکہ وہ تو بدعت ہیں۔

اوپر جن بابرکت اوقات،اشیاء اور مقامات کا ذکر کیا گیا ہے،ان میں فی نفسہ کوئی تاثیر نہیں ۔صحیح بخاری میں حضرت عمر بن خطابؓ سے منقول ہے کہ وہ حجرِ اسود کے پاس آئے اور فرمانے لگے: میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان۔اگر میں نے رسول اکرم ﷺ کو تجھے

بوسہ دیتے ہوے نہ دیکھا ہوتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا‘‘۔(بخاری:باب ماذکر فی الحجر الأسود (1597:

ان میں تاثیراور برکت اللہ ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا:حَيَّ عَلَى الطُّهُورِالْمُبَارَكِ۔وَالْبَرَكَةُ مِن اللّٰهِ۔آؤ!اس مبارک پانی سے فیض یاب ہوجاؤ،اور یادرکھو!اس میں برکت کانزول اللہ کی جانب سے ہے‘‘۔جس طرح رزق، شفایابی اوراستعانت دوسروں سے طلب کرنا شرک ہے اسی طرح غیراللہ سے تبرک حاصل کرنا بھی شرک ہے۔(بخاری:باب علامات النبوة فی الاسلام)

تبرک اور حصولِ برکت عبادت ہے۔اسی لیے برکت ان طریقوں سے حاصل کرنا ضروری ہے،جن کا ذکرشریعت میں کیا گیا ہے۔اپنی طرف سے کسی چیز کومتبرک سمجھ لینا،یاتبرک کے لیےاپنی طرف سے کسی طریقے کوایجاد کرلینابدعت ہے۔اس سے تبرک حاصل ہونے کی بجائے الٹا گناہ ہوگا۔ طبقاتِ ابن سعد میں حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ بیعتِ رضوان والے درخت کی زیارت کوجانے اوروہاں نماز پڑھنے لگے۔حضرت عمرؓ کواطلاع ہوی توانھیں سخت تنبیہ کی اوردرخت کاٹنے کاحکم دیا،چناں چہ وہ درخت کاٹ دیا گیا‘‘۔(ارواء الغلیل)

تبرک حاصل کرنے کے غیر شرعی طریقے : امت میں بہت سی ایسی چیزیں اور طریقے رائج ہیں جنھیں بابرکت سمجھا جاتا ہے۔عوام الناس کاایک بڑاطبقہ اولیاءاور مشائخ کو،ان کے آثاراورنشانات کواوران کی قبروں کومتبرک اور بابرکت سمجھتا ہے۔ان سے برکت حاصل کرنے کے لیےان کی قبروں کے پاس عبادت اورتعظیم کے وہ سارے اعمال وافعال بجالاتا ہے جوصرف اللہ کے لیے جائز ہیں۔وہاں نمازیں پڑھی جاتی ہیں،سجدے اوررکوع کیے جاتے ہیں،نذرونیاز کی جاتی ہے،دعائیں اورمرادیں مانگی جاتی ہیں،جانورذبح کیے جاتے ہیں،وغیرہ۔یہ ایسے شرکیہ اعمال ہیں جن سے ان کے سارے اعمال ضائع اور برباد ہوجاتے ہیں۔اس لیے مسلمان کوچاہیے کہ وہ برکت کے حقیقی معنی اورمفہوم کوسمجھے اورشرعی ذرائع سے برکت حاصل کرے اورغیرشرعی اورغیراسلامی ذرائع

سے اجتناب کرے، تاکہ حقیقی معنوں میں برکت بھی حاصل ہو اور ایمان بھی محفوظ رہے۔ اللہ ہر مسلمان کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فریضۂ زکوۃ

زکوۃ ایک دینی فریضہ ہے۔یہ ان پانچ بنیادی ارکان میں سے ہے،جن پر اسلام کی مضبوط عمارت قائم ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ ،شَهَادَةِ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهَ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ ۔(بخاری:باب دعاء کم ایمانکم :1597)''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے،اللہ کے اکیلے معبود ہونے ،محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دینا،نماز قائم کرنا،(ہرسال اپنے مال کی)زکاۃ ادا کرنا،(استطاعت ہوتو زندگی میں ایک مرتبہ)حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا''۔

عمارت کی پائیداری کا دارومدار ارکان اور ستون کی مضبوطی پر ہوتا ہے۔کوئی ایک ستون بھی کم زور ہوجائے یا منہدم ہوجائے تو عمارت زمیں بوس ہوجاتی ہے۔عمارتِ اسلام کی پائیداری اسی میں ہے کہ ان ستونوں میں سے کسی کو کم زور ہونے نہ دیا جائے۔

شہادتین کے اقرار کے بعد نماز اور زکوۃ کا اہتمام کرنے سے ہی اسلامی اخوت قائم ہوتی ہے،ورنہ اسلامی اخوت کا یہ رشتہ باقی نہیں رہتا۔چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ۔(التوبہ:11)''پھر اگر توبہ کرلیں،نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں''۔جس طرح نماز کو ترک کرنے سے مسلمان کافر ہوجاتا ہے اسی طرح عمداً زکاۃ ادا نہ کرنے سے بھی ایک مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔چناں چہ ایسے لوگوں کے ساتھ جہاد کیا جائے گا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا أَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَیُقِیْمُوا الصَّلَاةَ وَیُؤْتُوا الزَّکَاةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ اِلَّابِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ ۔(بخاری:باب فإن تابوا وأقاموا الصلاۃ..:25)''مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے

جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اللہ کے ایک ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دیں، نماز قائم کریں اور اپنے مال کی زکوۃ ادا کریں۔ اگر وہ ان امور کو انجام دیں تو ان کا خون اور مال محفوظ رہے گا، سوائے اسلام کے حق کے، اوران کا حساب اللہ پر ہوگا''۔ اسی لیے قرآن مجید نے زکاۃ نہیں ادا کرنے والوں کو مشرک اور آخرت کا منکر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ۔(حم السجدۃ:7،6)''اور بربادی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکاۃ ادا نہیں کرتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں''۔

قرآن مجید میں تقریباً اسیّ (80) سے زائد مقامات پر اس کا تاکیدی حکم آیا ہے۔ جس طرح ہر بالغ مسلمان پر نماز فرض ہے اسی طرح ہر باحیثیت اور مال دار مال دار مسلمان پر زکوۃ فرض ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ زکوۃ نہیں ادا کرنے کی صورت میں نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے: فَمَنْ صَلّٰی وَلَمْ یُزَکِّ لَمْ یُقْبَلْ مِنْہُ۔(خطبۃ فی الزکاۃ ومکانتھا للشیخ عبدالرحمٰن السدیس)''جس نے نماز کا اہتمام کیا مگر اپنے مال کی زکوۃ ادا نہ کی تو اس کی نماز بھی قبول نہیں ہوگی''۔ بلکہ زکوۃ کے بغیر اسلام ہی مکمل نہیں ہوتا: رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: زکوۃ ادا کرو تاکہ تمھارا اسلام مکمل ہو جائے۔(بزار)

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد کچھ لوگوں نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کے خلاف جنگ کی۔ آپؓ نے فرمایا: وَاللّٰہِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلَاۃِ وَالزَّکَاۃِ فَإِنَّ الزَّکَاۃَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰہِ لَوْمَنَعُوْنِیْ عَنَاقًا کَانُوْا یُؤَدُّوْنَھَا إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لَقَاتَلْتُھُمْ عَلٰی مَنْعِھَا۔ ''اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوۃ کے درمیان تفریق کرتے ہیں (یعنی نماز تو ادا کرتے ہیں مگر زکوۃ ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں، نماز اللہ کا حق ہے اور) زکاۃ مال کا حق ہے۔ پھر فرمایا: اللہ کی قسم! اگر یہ اونٹنی کا ایک بچہ بھی روک لیں، جسے وہ زکوۃ کے طور پر اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں ادا کیا کرتے تھے تو میں اس کے روک لینے پر ان سے جنگ کروں گا''۔(بخاری: باب وجوب الزکاۃ:1400)

زکاۃ کی حکمت : زکاۃ کی مشروعیت میں بہت سی حکمتیں، مصلحتیں اوراسرار ورموز پوشیدہ ہیں جن کا تعلق افراد اور معاشرہ دونوں سے ہے۔

زکاۃ نفس کی پاکیزگی ،دل کی صفائی کا ذریعہ ہے۔انسان کو حرص وطمع اور بخل اور کنجوسی جیسے باطنی امراض سے پاک کرتا ہے۔زکاۃ ہر طرح کی دنیوی آفتوں اور مصیبتوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔اس کی ادائی سے مال پاک صاف ہوتا ہےاوراس میں برکت اوراضافہ ہوتا ہے۔معاشرے میں الفت ومحبت ،وحدت ویگانگت ،اخوت و بھائی چارگی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔زکاۃ معاشرے کے غریبوں کے دکھ درد میں شریک ہونے اوران کے غم کو محسوس کرنے اور درد کا درماں بننے پر ابھارتی ہے۔یہ معاشرے سے مفاد پرستی ،خودغرضی ،حق تلفی اور دوسروں کے مالوں پر دست درازی جیسی برائیوں سے معاشرے کو پاک کرکے ایک صالح معاشرہ قائم کرنے میں معاون ہوتی ہے۔

زکاۃ کچھ روپے پیسے اپنی جیب سے نکال کرغریبوں کے حوالے کرنے کا نام نہیں،اور نہ ہی مال داروں کا غربا ومساکین پر کیا جانے والا کوئی احسان ہے بلکہ معاشرے کے غریب طبقہ کا مال داروں پراللہ کی جانب سے عائد ہونے والا ایک اسلامی حق ہے۔قرآن مجید میں فرمایا گیا: وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ، لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔(المعارج:25،24) ’’اور جن کے مال میں معلوم حق ہے سائل اور محروم کے لیے‘‘۔اسی طرح ارشاد ہے: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۔ (الانعام:۱۴۱) ’’اور فصل کاٹنے کے دن اس کی زکاۃ دو‘‘۔

اللہ کے رسول ﷺ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا گورنر بنا کر روانہ کرنے لگے تو آپ ﷺ نے انھیں دعوت وتبلیغ کے مدارج بتاتے ہوے فرمایا: فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَاءِ هِمْ فَتُرَدُّ فِيْ فُقَرَاءِ هِمْ ۔(مسلم:باب الدعاء الی الشهادتین و شرائع الاسـلام:130) ’’اس بات کا خیال رکھنا کہ اگر وہ دینِ اسلام قبول کرلیں اور نماز ادا کرنے لگیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکاۃ فرض کی ہے، جو ان کے مال داروں سے وصول کی جائے

گی اوران کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔

زکاۃ یہ کوئی اختیاری عمل نہیں کہ چاہے تو انجام دیں، چاہے تو ترک کردیں بلکہ اس کی ادائی ہر مسلمان پر واجب ہے۔اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ۔ (التوبہ:103) ''آپ ان کے اموال کی زکاۃ وصول کیجیے تا کہ ان کو پاک کیجیے اوران کے باطن کا تزکیہ کیجیے اوران کے لیے دعا کرتے رہیے''۔

شروط زکاۃ : زکاۃ ہر اس مسلمان پر فرض ہے، جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اتنا مال ہو جو نصاب کو پہنچ چکا ہو، اور اس پر ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہو۔سننِ ابوداؤد کی روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ عَبَدَاللّٰهَ وَحْدَهُ وَأَنَّهُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَعْطٰى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ وَلَا يُعْطِى الْهَرِمَةَ وَلَاالدَّرِنَةَوَلَا الْمَرِيْضَةَ وَلَاالشرط الليمةوَلٰكِنْ مِنْ وَسَطِ أَمْوَالِكُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهُ وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهِ ۔(ابوداؤد:باب فی زکاۃ السائمۃ :1584) ''تین اعمال ایسے ہیں جو شخص ان کو انجام دے گا وہ ایمان کا مزہ پالے گا۔ایک یہ کہ تنہا اللہ کی عبادت کرے۔دوسرا یہ کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا اقرار کرے اور تیسرا یہ کہ ہر سال اپنے مال کی زکاۃ خوشی خوشی ادا کرے اور بوڑھا، خارشی، بیمار اور گھٹیا جانور نہ دے بلکہ درمیانی درجہ کا دے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تم سے نہ محض عمدہ مال چاہتا ہے اور نہ گھٹیا مال پسند کرتا ہے''۔

نصاب زکاۃ : جس شخص کے پاس ساڑے سات تولے سونا (85 گرام) یا اس کے مساوی رقم ہو یا ساڑھے باون تولے چاندی (595 گرام) ہو اور اس پر ایک سال کا عرصہ گزر جائے تو اس مال میں ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوۃ ادا کرنا واجب ہے۔

عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ہے کہ زکوۃ ادا کرنے سے مال گھٹتا ہے، مگر قرآن مجید نے کہا کہ زکوۃ ادا کرنے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۔(الروم:39) ''اور جو زکوۃ تم اللہ تعالیٰ کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو، اس سے دینے والے ہی اپنے مال میں اضافہ کرتے ہیں''

زکاۃ نہیں اداکرنے والوں کے لیے وعید : جولوگ اپنے مال کی زکوۃ ادانہیں کرتے ان کے لیے قرآن مجیداوراحادیث میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں ۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:مَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ إِلَّا ابْتَلَاهُمُ اللّٰهُ بِالسِّنِيْنَ ۔''جوقوم اپنے مال کی زکاۃ ادانہیں کرتی ،اللہ اسے قحط سالی میں مبتلا کردیتا ہے''۔(صحیح الترغیب والترھیب :باب الترھیب من منع الزکاۃ..:2187)

ایک دوسری روایت میں ہے:وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّامُنِعُوا الْقَطْرَمِنَ السَّمَاءِ ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا ۔(ابن ماجہ:باب العقوبات:4155)''جب لوگ اپنے مال کی زکاۃ ادانہ کریں تواللہ تعالیٰ آسمان سے بارش روک لیتا ہےاوراگر چوپائے نہ ہوتے توبارش ہی نہ ہوتی''۔

زکاۃ ادانہ کرنے سے مال ضائع اور برباد ہوجاتا ہے ۔چناں چہ آپ ﷺ کاارشاد ہے: ''بندہ جب صبح کرتا ہےتودوفرشتے اترتے ہیں،ان میں سےایک کہتا ہے:اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا ۔ ''اےاللہ!خرچ کرنے والےکومزیدعطا فرما''دوسرا کہتا ہے:اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا ۔''اے اللہ!بخیلی کرنے والے کے مال کوضائع کردے''۔(مسلم:باب فی المنفق والممسك:2383)

قیامت کے دن ان کا یہ مال جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اوراس کے ذریعے انھیں داغا جائے گا۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۔(التوبۃ:35، 34)''دردناک عذاب کی خوش خبری سنادوان لوگوں کوجوسونااورچاندی جمع کرتے ہیں لیکن اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ،ایک دن آئے گا کہ اسی سونے اور چاندی پرجہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اس سےان لوگوں کی پیشانیوں، پہلووں اورپیٹھوں کوداغا جائے گااورکہاجائے گا:یہ وہ خزانہ ہے جسے تم

اپنے لیے سنبھال کر رکھتے تھے، اب اپنے خزانے کا مزہ چکھو"۔

اور یہ مال زہریلے اژدھے کی شکل میں آئے گا اور انھیں برابر ڈستا رہے گا، جیسا کہ صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوِّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلَهْزِمَتَيْهِ يَعْنِي شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔(بخاری: باب اثم مانع الزکاۃ: 1403) "جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اس کی زکاۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کا یہ مال ایک زہریلا سانپ بن کر اس کے سامنے آئے گا، جس کی دونوں آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے، اور اسے دونوں جبڑوں سے پکڑے گا، پھر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کردہ خزانہ ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: "اور جو لوگ اس فضل میں بخالت کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں دیا ہے، وہ اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ وہ تو ان کے لیے بری چیز ہے، جس مال میں وہ بخالت کر رہے ہیں، قیامت کے دن وہ ان کی گردن میں طوق بنا کر پہنا دیا جائے گا"

مستحقینِ زکاۃ : زکاۃ کہاں خرچ کی جائے اور اس کے مستحق افراد کون ہیں، قرآنِ مجید نے اس بات کی مکمل وضاحت کر دی ہے، اس مسئلے کو نہ حاکمِ وقت اور خلیفۂ وقت کی صواب دید پر چھوڑا اور نہ انھیں اس کا حق اور اختیار دیا کہ وہ جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں۔ قرآن مجید میں آٹھ قسم کے لوگوں کو زکاۃ کا مستحق بتایا گیا: چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔(التوبۃ: 60) "بے شک اموالِ صدقہ فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور انھیں اکٹھا کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے ہیں جن کا دل جیتنا مقصود ہو اور غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرنے کے لیے اور قرض داروں کا قرض ادا کرنے کے لیے اور اللہ کی راہ میں خرچ

کرنے کے لیےاور مسافر کے لیے ہیں، یہ حکم اللہ کی جانب سے ہےاور اللہ بڑا جاننے والا، بڑی حکمتوں والا ہے''۔

یہ زکاۃ کے آٹھ مصارف ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے خود طے کردیے ہیں۔

نظامِ زکاۃ غربت کے خاتمہ کا اہم ذریعہ : فقروفاقہ اور غربت وافلاس ہر دور اور ہر ملک میں ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔اس کے ازالے اور خاتمہ کے لیے ہر زمانے میں کوششیں کی گئیں۔دورحاضر میں بھی اس کو ختم کرنے کے لیے مختلف نظریات وجود میں آئے،مگر غربت کی شرح کم ہونے کی بجائے مزید بڑھتی ہی جارہی ہے۔اسلام نے غربت وافلاس کے خاتمہ کے لیے ٹھوس تدبیریں اپنائی ہیں۔ان ہی میں سے ایک زکاۃ کا نظام بھی ہے۔زکاۃ کا بنیادی مقصد معاشرے کے محتاج اور غریب طبقوں کو فقر کی ذلت اور محتاجی کی پستی سے نجات دلانا ہے۔اسی لیے عاملین زکاۃ کو آپ ؐ کا یہ تاکیدی حکم تھا کہ جن علاقوں سے زکاۃ وصول کی جائے،انہی کے غربا میں تقسیم کی جائے۔جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث گزرچکی ہے۔

حضرت ابوجحیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا مصدّق (زکاۃ وصول کرنے والا) ہمارے پاس آیا تو اس نے ہمارے مال داروں سے زکاۃ لے کر ہمارے فقرا میں بانٹ دیا۔میں ایک یتیم لڑکا تھا،اس نے زکاۃ میں سے مجھے بھی ایک اونٹنی دی تھی۔(اسلام کا معاشی تحفظ:113)

''عہدِ خلافتِ راشدہ میں بھی اسی پر عمل رہا کہ جہاں سے مال جمع کیا جاتا وہیں تقسیم کردیا جاتا تھا اور محصلین اس حالت میں مدینہ واپس آتے کہ ان کے پاس سوائے پالان کے نیچے کے کپڑوں اور اپنی لاٹھیوں کے جن پر وہ ٹیک لگاتے تھے،اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔چناں چہ حضرت سعید بن مسیّبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو بنو کلاب اور بنوسعد بن ذبیان کا محصل بنا کر بھیجا،انھوں نے جو زکاۃ وصدقات وغیرہ جمع کیے،وہ سب کے سب انہی کے غربا وفقرا میں تقسیم کردیے،حتی کہ جب واپس آئے تو ان کے پاس وہی رومال تھا جو وہ اپنی گردن میں ڈال کر گئے تھے''۔(ایضا:113)

زکاۃ معاشرتی خرابیوں کے خاتمہ کا ایک اہم ذریعہ : معاشرے میں

جنم لینے والی کتنی ہی خرابیاں ایسی ہیں جن کی بنیادی وجہ غربت وافلاس ہے۔غربت وافلاس کے ہاتھوں مجبور ہوکر انسان چوری اور ڈکیتی کی راہ اختیار کرتا ہے۔کتنی ہی عورتیں بدکاری اور جسم فروشی کی راہ اپناتی ہیں۔کم زور اور ناتواں افراد گداگری کو اپنا پیشہ بنالیتے ہیں۔معصوم اور نوخیز بچے تعلیم ترک کر کے محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔معاشرے کو ان تمام خرابیوں سے بچانے کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ زکاۃ کا صحیح نظم قائم کیا جائے۔صحیح مسلم میں حضرت ابوھریرۃؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص رات کے وقت اپنے صدقے کا مال لے کر نکلا، راستہ میں ایک آدمی نظر آیا، اپنا مال اس کو دے دیا، صبح ہوی تو لوگ چہ می گوئیاں کرنے لگے کہ کسی نے چور کو اپنا صدقہ دیا۔پھر اس نے ایک عورت پر صدقہ کیا، اتفاق سے وہ زانیہ نکلی لوگ چہ می گوئیاں کرنے لگے کہ آج رات کسی نے ایک زانیہ کو اپنا مال صدقہ کیا۔پھر تیسری مرتبہ اس نے ایک شخص پر صدقہ کیا مگر وہ شخص مال دار نکلا۔صبح لوگوں میں چرچا ہوا کہ کسی نے آج مال دار کو صدقہ دیا۔صدقہ کرنے والے کو ایک رات خواب میں ایک شخص نے آکر کہا: ممکن ہے تمھارے صدقے سے چور، چوری سے باز آجائے اور زانیہ عورت زنا سے باز آجائے اور جو مال دار ہے، اسے بھی خرچ کرنے کی توفیق نصیب ہو۔(بخاری: باب اذا تصدق علی غنی وھو لایعلم: 1421)

اسلام کا اجتماعی نظامِ زکوۃ : زکوۃ اسلام کی ان عبادات میں سے ہے، جن کی ادائی اجتماعی طور پر مطلوب ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ زکوۃ کا ذکر نماز کے ساتھ کیا گیا ہے۔جس طرح نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح زکوۃ بھی اجتماعی طور پر ادا کرنا ضروری ہے۔زکوۃ کا حکم اکثر جمع کے صیغوں کے ساتھ دیا گیا ہے : أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۔''تم سب مل کر نماز ادا کرو اور (اپنے مال کی) زکوۃ دو''۔جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ زکوۃ اجتماعی طور پر ادا کی جائے۔

قرآن مجید میں زکوۃ کے مصارف میں ایک مصرف ''عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا'' بھی بتایا گیا، جس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ زکوۃ کا اجتماعی نظم ہو۔

عہدِ نبوی میں زکوۃ کا اجتماعی نظم تھا۔ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو ہر سال زکوۃ کی وصولی کے لیے روانہ کرتے۔ زکوۃ کی ساری رقم ایک جگہ جمع کی جاتی اور پھر مستحقین میں تقسیم کی جاتی۔

اجتماعی نظامِ زکوۃ کی بدولت اسلام کے ابتدائی عشروں میں ہی مسلمانوں میں اس قدر خوش حالی آئی کہ اسلامی سلطنت کے بعض علاقوں میں کوئی زکوۃ لینے والا نہ تھا۔

اس کی واضح مثال عہد فاروقی میں ملتی ہے۔ عہدِ فاروقی میں یمن کے گورنر حضرت معاذ بن جبلؓ تھے، پہلے سال انھوں نے زکوۃ کی رقم جمع کی، اور وہاں کے غریبوں میں تقسیم کی، ایک تہائی رقم بچ گئی، انھوں نے یہ رقم دارالخلافۃ مدینہ منورہ بھیج دی، اتنی ساری رقم دیکھ کر امیر المومنین عمر بن خطابؓ نے معاذ بن جبلؓ کو لکھا کہ زکوۃ کی یہ رقم وہاں کے غربا اور فقرا میں تقسیم کیوں نہیں کی گئی؟ حضرت معاذؓ نے جواب میں لکھا کہ یہاں کے غربا میں تقسیم کرنے کے بعد جو رقم بچ گئی تھی وہ آپؓ کی خدمت میں بھیجی گئی ہے۔ دوسرے سال زکوۃ کی آدھی رقم انھوں نے امیر المومنین کی خدمت میں روانہ کی۔ تیسرے سال زکوۃ کی رقم جو یمن کے مال داروں سے وصول کی گئی تھی، پوری کی پوری امیر المومنین کی خدمت میں روانہ کر دی گئی، کیوں کہ اب یمن میں کوئی زکوۃ کا مستحق موجود نہیں تھا۔

یہ ہے اجتماعی نظامِ زکوۃ کی برکت کہ ایک سال جو زکوۃ لیتا ہے، وہ دوسرے تیسرے سال زکوۃ دینے کا اہل بن جاتا ہے۔

یہی حال عمر بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت کا بھی ہے۔ آپؒ کے عہد میں زکوۃ کے اجتماعی نظم کی وجہ سے خوش حالی اس قدر عام ہو گئی تھی کہ کوئی زکوۃ لینے والا موجود نہیں تھا۔

آج امت مسلمہ کئی مسائل سے دوچار ہے۔ دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمان تعلیمی میدان میں بہت پیچھے ہیں، فقر و فاقہ اور غربت و افلاس مسلم قوم کا شعار بن چکا ہے، غربت و افلاس کی وجہ سے امت میں جو برائیاں اور خرابیاں جنم لے رہی ہیں، وہ کسی بھی تعلیم یافتہ شخص سے مخفی نہیں ہیں اور معاشی میدان میں بھی مسلمان بہت پیچھے ہیں۔

اگر مسلمان اپنے مال کی زکوۃ سنت نبوی کے مطابق نکالیں اور اس کا اجتماعی نظم قائم ہو تو چند

ہی سالوں میں مسلمانوں کی معاشی حالت میں بہتری آسکتی ہے اور مسلمانوں کے دیگر مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اسلامی تعلیمات پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

قرآن مجید کے حقوق

انسانوں کی ہدایت اور رہ نمائی کے لیے اللہ تعالیٰ ہر دور میں انبیاے کرام کو اپنی ہدایات دے کر مبعوث فرماتا رہا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوے سورۂ انعام میں اٹھارہ انبیاء کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا گیا : اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ. (الأنعام:89) ''انہی لوگوں کو ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت عطا کی تھی''۔

سب سے آخر میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآنِ مجید کی شکل میں آخری ہدایت نامہ دے کر بھیجا گیا۔ آپ ﷺ کے بعد اب نہ تو کوئی رسول آنے والا ہے اور نہ کسی اور آسمانی صحیفہ کا نزول ہونے والا ہے۔

قرآن مجید آخری دستورِ حیات ہے۔ اس میں زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اسی لیے اس کتاب کو کہیں ''تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ'' اور کہیں ''تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ'' کہا گیا، یعنی ہر چیز کو وضاحت کے ساتھ کھول کر بیان کرنے والی کتاب۔

اس وقت دنیا ترقی کے بامِ عروج پر پہنچ چکی ہے۔ موجودہ دور کے انسان کو اس ترقی پر بہت ناز بھی ہے۔ اس کے باوجود اس ترقی یافتہ دنیا کے پاس نہ کوئی ایسا قانون ہے اور نہ کتاب جو انسان کے تمام مسائل کو حل کر سکے۔ دنیا خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے، وہ نہ انسانوں کے مسائل حل کر سکتی ہے اور نہ قرآن جیسی کوئی کتاب پیش کر سکتی ہے، کیوں کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ سارے جہانوں کے رب کا کلام ہے، اس کا یہ چیلنج ہے۔ دنیا کے سارے انس وجن مل کر بھی اس جیسا کلام پیش نہیں کر سکتے: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۔(الاسراء:88) '' کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ

ہوں''۔

اللہ کا فضل ہے کہ ہم مسلمان ہیں،قرآن مجید (کے کلامِ الٰہی ہونے) پر ہمارا ایمان ہے،بحیثیت مسلمان،ہم پر قرآن مجید کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں،جنھیں ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ان حقوق کوادا کرنے ہی میں دنیا وآخرت کی کامیابی ہے،اوران سے روگردانی کرنے اور بے توجہی برتنے کے نتیجے میں دونوں جہانوں کی رسوائی اور بربادی ہمارا مقدر ہوگی۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ أَقْوَامًا وَیَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ ۔(مسلم:باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ: 1934)''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ کچھ لوگوں کوعروج واقبال عطا کرتا ہے،اوراس سے روگردانی کرنے والوں کوذلیل اوررسوا کرتا ہے''۔

ذیل کی سطروں میں قرآن مجید کے بعض حقوق کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

(۱) تلاوت : ایمان لانے کے بعدقرآن مجید کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ. (العنکبوت:45)''(اے نبیؐ!) تلاوت کرواُس کتاب کی جوتمھاری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجی گئی ہے''۔

قرآن مجید کی تلاوت ہرمسلمان پرضروری ہے۔جولوگ اس سے غفلت برتتے ہیں،وہ عذابِ الٰہی سے دوچار ہوتے ہیں۔منکرنکیرقبرمیں ہرانسان سے تین سوال کرتے ہیں۔اگروہ صحیح جواب دیتا ہےتواس سے پوچھتے ہیں کہ تمھیں ان کے جواب کیسے معلوم ہوئے؟اس وقت مومن کہے گا:قَرَأْتُ کِتَابَ اللّٰہِ فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ ۔''میں اللہ کی کتاب پرایمان رکھتا تھا،اس کی تصدیق کرتا تھااور اس کی تلاوت کیا کرتا تھا''۔(ابوداوٗد:باب المسألة فی القبر وعذاب القبر:4755)

جوشخص قرآن مجید سے غافل رہااورقرآن مجیدنہیں پڑھا،وہ منکرنکیر کے سوالوں کا جواب نہیں دے پائے گااورفرشتے اسے ڈانٹ کرکہیں گے:لَادَرَیْتَ وَلَا تَلَیْتَ ۔''تونے جاننے کی نہ کوشش کی اورنہ ہی قرآن مجید کی تلاوت کی''۔اس کے بعدفرشتے میت کولوہے کے گرزوں سے مارنا شروع کردیں گےاورقیامت تک وہ یہ سزا بھگتتا رہے گا''۔(بخاری:باب ماجاء فی عذاب القبر

(1374:

قرآن مجید کی تلاوت کیسے کی جائے ؟اس سوال کا جواب خود قرآن نے دیا ہے، ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۔ (البقرۃ:121) ''جن کو ہم نے کتاب دی ہے، اس کی ایسی تلاوت کرتے ہیں جیسی ہونی چاہیے، وہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں''۔

حقِ تلاوت کا ایک مطلب یہ ہے کہ پوری یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ تلاوت کی جائے۔ یہ سمجھ کر پڑھا جائے کہ یہ میرے نام میرے رب کا پیغام ہے، میرے ہی لیے یہ کتاب نازل ہوی ہے، میں ہی اس کا اولین مخاطب ہوں، اس میں ذکر کی گئی ساری بشارتیں میرے لیے ہیں، اور اس میں بیان کردہ وعیدیں مجھ ہی کو بیدار کرنے کے لیے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ نے حضرت عمر بن خطابؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے: هُمُ الَّذِيْنَ اِذَا مَرُّوْا بَآيَةِ رَحْمَةٍ سَأَلُوْهَا مِنَ اللّٰهِ وَاِذَا مَرُّوْا بَآيَةِ عَذَابٍ اسْتَعَاذُوْا مِنْهَا ۔ (تفسیر قرطبی: سورۂ بقرہ) ''جب رحمت کی آیت پر سے وہ گزرتے ہیں تو اللہ سے رحمت کا سوال کرتے ہیں، اور جب عذاب والی آیت پر سے گزرتے ہیں تو اس سے پناہ طلب کرتے ہیں''۔

صحابہ کرامؓ کی تلاوت کا یہی انداز تھا، وہ ڈوب کر قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ بڑے رقیق القلب تھے، قرآن مجید کی تلاوت کے دوران ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہتے''۔ (بخاری: كتاب المناقب ،باب هجرة النبی ﷺ: 3836)

حضرت عکرمہؓ ایمان لانے کے بعد اکثر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ قرآن مجید کو اپنے چہرے سے لگا لیتے اور فرماتے: ''میرے رب کی کتاب، میرے رب کا کلام اور پھر خشیت الٰہی سے رونے لگتے۔ (فضائل قرآن، اقبال کیلانی، ص: 11)

حضرت حذیفہؓ کے غلام حضرت سالمؓ پُر سوز آواز میں اس طرح تلاوت فرماتے کہ پاس سے گزرنے والوں کے قدم رُک جاتے۔ ایک رات رسول اکرم ﷺ دیر تک کھڑے ہو کر ان کی تلاوت سنتے رہے اور اس قدر خوش ہوے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسی

تلاوت کرنے والے پیدا فرمائے ہیں‘‘۔(ابن ماجہ: باب فی حسن الصوت بالقرآن:1399)

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ کسی جنگ سے واپس ہو رہے تھے، رات کے وقت راستے میں ایک جگہ آپ ﷺ نے پڑاؤ کا ارادہ کیا، صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ آج کی رات کون نگرانی کرے گا؟ حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ اس کے لیے تیار ہو گئے۔ جب صحابہ کرامؓ سب سو گئے تو دونوں نے مل کر طے کیا کہ باری باری جاگیں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک ساتھ جاگنے کی وجہ سے دونوں پر نیند کا غلبہ ہو جائے۔ پہلے جاگنے کی باری حضرت عباد بن بشرؓ کی مقرر ہوی۔ اس موقع کو غنیمت جان کر نماز میں مصروف ہو گئے اور سورۂ کہف کی تلاوت شروع کر دی۔ دور سے دشمن نے دیکھا کہ سب سو رہے ہیں اور ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے، تو سوچا کہ اگر اس ایک کو ختم کر دیں تو آسانی سے سب کا صفایا کیا جا سکتا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے تیر چلایا، عباد بن بشرؓ نے تیر کو جسم سے الگ کیا اور اپنی تلاوت جاری رکھی، دوسرا تیر آیا اور جسم میں پیوست ہو گیا، عباد بن بشرؓ نے اس کو بھی الگ کیا اور تلاوت جاری رکھی، یکے بعد دیگرے کئی تیر آئے اور جسم میں پیوست ہوتے چلے گئے مگر وہ ہر مرتبہ تیر کو نکالتے اور تلاوت جاری رکھتے، آخر جب زیادہ خون نکلنے کی وجہ سے کمزوری محسوس ہونے لگی تو انھوں نے نماز جلدی سے ختم کی اور اپنے ساتھی عمار بن یاسرؓ کو جگایا۔ عمارؓ ان کی یہ حالت دیکھ کر سمجھ گئے کہ کسی دشمن نے ان پر تیر برسائے ہیں، انھوں نے کہا: سُبْحَانَ اللّٰهِ! أَفَلَا أَهْبَبْتَنِيْ أَوَّلَ مَا رَمَاكَ۔ سبحان اللہ، جب تمھیں پہلا تیر لگا تو اسی وقت تم نے مجھے بیدار کیوں نہیں کیا؟ حضرت عبادؓ نے جواب دیا: كُنْتُ فِيْ سُوْرَةٍ أَقْرَأُهَا فَلَنْ أُحِبَّ أَنْ أَقْطَعَهَا۔ میں ایک ایسی سورت کی تلاوت کر رہا تھا جس میں مجھے بڑا لطف آ رہا تھا۔ میں نے نہیں چاہا کہ اس کو ختم کیے بغیر نماز مکمل کر لوں۔(ابوداؤد: باب الوضوء من الدم :198) پھر انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اللہ کے رسول ﷺ مجھے پہرہ دینے کی ذمہ داری نہ دیے ہوتے تو میں تلاوت کو جاری رکھتا، تلاوت کرتے کرتے یا تو میری جان چلی جاتی یا پھر میں سورت مکمل کر لیتا۔(دروس للشیخ الألبانی)

صحیح بخاری کی روایت ہے، ایک صحابیؓ تہجد پڑھ رہے تھے۔ پاس ہی میں گھوڑا بندھا ہوا تھا،

جب وہ تلاوت شروع کرتے تو آسمان سے ایک بادل ان سے قریب ہونے لگتااور پاس بندھا ہوا گھوڑا بدکنے لگتا۔انھیں بڑا تعجب ہوا، صبح ہوی تو رسول اکرم ﷺ سے اس واقعے کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ ۔''وہ فرشتے تھے جوتمھاری تلاوتِ قرآن کی وجہ سے نازل ہوے تھے،اگرتم قرآن پڑھتے ہوے صبح کرتے تومدینہ کے لوگ اپنی آنکھوں سے ان فرشتوں کودیکھ لیتے''۔(بخاری:باب فضل سورة الكهف :5011)

(۲) غور وفکر : دوسراحق یہ ہے کہ قرآن مجید میں غوروفکر کیا جائے۔قرآن مجید علوم ومعارف کا بیش بہاخزینہ ہے، یہ وہ کتاب ہے جوکائنات کے اسرارورُموز سے پردہ اٹھاتی ہے اورانسان کے آغازوانجام سے باخبرکرتی ہے۔ یہ وہ بحرِ ذخار ہے کہ انسان اس میں جس قدر غوطہ لگائے گا،اسی قدر علوم ومعارف کی موتیاں اورجواہر پائے گا،اسی لیےاس میں غوروفکر کرنے اور تدبر کرنے کا بار بار حکم دیا گیا، بلکہ اس کے نزول کا ایک مقصد ہی یہ بتایا گیا کہ اس میں غوروفکر کیا جائے، جیسا کہ ارشاد ہے:كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔(ص:29) ''(اے نبی!)یہ ایک مبارک کتاب ہے جوہم نے آپ پرنازل کی ہے،تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غوروفکر کریں اورتاکہ عقل وخرد والے نصیحت حاصل کریں''۔

ایک اورجگہ فرمایا گیا: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۔(محمد:24)''کیاوہ لوگ قرآن میں غوروفکرنہیں کرتے ،یاان کے دلوں پرتالے پڑے ہیں''۔

قرآن مجیدکو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے،ساتھ ہی یہ دنیا کی سب سے زیادہ مظلوم کتاب بھی ہے، کیوں کہ یہ وہ کتاب جوعام طور پرسمجھے بغیر پڑھی جاتی ہے۔اس کتاب کے ساتھ مسلمانوں کا جوسلوک اوررویہ ہے،اس کی تصویرکشی ماہرالقادریؒ نے یوں کی ہے ؎

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں ، دھودھو کے پلایا جاتا ہوں

جز دان حریر و ریشم کے اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے، خوشبو میں بسایا جاتا ہوں
جس طرح سے طوطا مینا کو، کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں، اس طرح سکھایا جاتا ہوں
جب قول وقسم لینے کے لیے، تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے، ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں

یہ حقیقت کسی المیے سے کم نہیں کہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ہے کہ قرآن مجید کو سمجھنا اور اس میں غور وفکر کرنا بڑا مشکل کام ہے، اس کے لیے بڑے علم کی ضرورت ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو ذکر ونصیحت کے لیے آسان بنایا ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۔(القمر:40)''ہم نے قرآن کو یقیناً نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟''۔

صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کا علم نبی کریم ﷺ سے بڑی عمر میں حاصل کیا۔ حضرت ابوبکرؓ قبولِ اسلام کے وقت 38/برس کے تھے، حضرات عمرؓ، عثمانؓ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، یاسرؓ، سمیہؓ، طفیل بن عمرو دوسیؓ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنھم، جیسے سیکڑوں صحابہ کرامؓ کے نام ہمیں سیرت میں ملتے ہیں جن کی عمر قبولِ اسلام کے وقت تیس برس سے زائد تھی۔ اس عمر میں انھوں نے قرآن مجید کو پڑھا، سمجھا اور اس میں مہارت حاصل کی۔

بنیادی بات یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو کتابِ ہدایت سمجھتے تھے۔ اس کی کسی آیت کا مفہوم سمجھنے میں اگر دشواری پیش آتی تو بے چین ہوجاتے۔ جب تک اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اس وقت تک اطمینان نصیب نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب سورۂ انعام کی یہ آیت نازل ہوی: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۔(الأنعام:82)''جولوگ ایمان

لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، انھیں کے لیے امن ہے، اور وہی راہِ راست پر ہیں''۔صحابہ کرامؓ کو اس کا مفہوم سمجھنے میں دشواری ہوی، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ۔اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں کون ایسا شخص ہے جو اپنے نفس پر ظلم نہ کرتا ہو؟ (یعنی صحابہ کرامؓ نے ''ظلم'' سے مراد نفس پر زیادتی سمجھا) آپ ﷺ نے اس آیت کا مفہوم واضح کرتے ہوے فرمایا کہ اس آیت میں جس ظلم کا ذکر کیا گیا ہے وہ نفس پر زیادتی نہیں بلکہ اس سے مراد ''شرک'' ہے۔یعنی جو شخص ایمان لے آئے اور اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہ کرے، اس کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہے۔(بخاری: باب ما جاء في المتأولين: 6937)

یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تو اہلِ عرب تھے، قرآن کی زبان سے واقف تھے، اس لیے قرآن کو سمجھنا ان کے لیے آسان تھا، آج کے دور میں اور خصوصاً ہم عجمیوں کے لیے قرآن کو سمجھنا دشوار اور مشکل ہے؟۔

یہ ایک غلط مفروضہ ہے۔پہلے قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کریں۔اگر کوشش کے باوجود سمجھ میں نہ آئے تب کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مشکل کتاب ہے اور اس کا سمجھنا دشوار ہے۔جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔(العنکبوت:69) ''اور جو لوگ ہمارے دین کی خاطر کوشش کرتے ہیں، ہم انھیں اپنی راہِ راست پر ڈال دیتے ہیں''۔

علامہ اقبالؒ نے ''جوابِ شکوہ'' میں مسلمانوں کی اس روش پر یوں نکیر کی ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں ۔۔۔ راہ دکھلائیں کسے؟ راہ رو منزل ہی نہیں

آج بھی اگر سچے دل سے قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستہ ہموار کر دیتا ہے۔اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے۔

مورس بوکائی کا شمار دنیا کے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں میں ہوتا ہے۔امریکی حکومت نے انھیں فرعون کی لاش پر ریسرچ کی ذمہ داری دی تھی۔تحقیق کے دوران ان کی نظر قرآن مجید کی اس آیت

پر پڑی:فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۔(یونس:92)''تو آج ہم تیرے جسم کو پانی سے نکالیں گے تاکہ اپنے بعد آنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بن جائے''۔اس آیت کو پڑھنے کے بعد وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہزاروں سال پہلے جس شخص کا انتقال ہو چکا ہے،اس کی لاش کی حفاظت کا ذکر قرآن مجید میں آج سے چودہ سو سال قبل کیا گیا ہے،وہ حیرت اور تعجب میں پڑ گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کی تیار کردہ کتاب نہیں بلکہ یہ عظیم پروردگارِ عالم کا کلام ہے،اس کے بعد قرآن کو سمجھنے کے لیے انھوں نے عربی زبان سیکھنی شروع کی،اس وقت ان کی عمر چالیس سے زائد تھی۔اس عمر میں انھوں نے عربی سیکھی،قرآن مجید سمجھا،اور مشرف بہ اسلام ہوے۔قبولِ اسلام کے بعد انھوں نے ایک کتاب لکھی،جس کا ترجمہ اردو زبان میں''قرآن،بائبل اور سائنس'' کے نام سے ہوا۔

موجودہ دور میں نومسلموں کی زندگیوں میں اس طرح کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں،جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ہر دور اور ہر جگہ کے انسانوں کے لیے آسان بنایا گیا ہے۔

(۳) عمل : قرآن مجید کا تیسرا حق اس کے احکام پر عمل ہے۔قرآن ایک زندۂ جاوید کتاب ہے۔انسانوں کی ہدایت و رہ نمائی اس کا اہم اور بنیادی موضوع ہے۔یہ کتاب انسانی زندگی کے تمام مسائل سے بحث کرتی اور ان کا تشفی بخش حل پیش کرتی ہے۔دنیا میں پیش آنے والے خطرات اور آخرت میں لاحق ہونے والی ذلت و رسوائی سے آگاہ کرتی ہے،اور ایک کامیاب اور خوش گوار زندگی کا واضح لائحۂ عمل پیش کرتی ہے۔فرمایا گیا: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ۔ (بنی اسرائیل:9)''حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے''۔

جو شخص دنیا و آخرت کی فلاح و بہبودی چاہتا ہو،اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کتابِ الٰہی کی پیروی کرے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔(الأعراف:3) ''مسلمانو!تمھارے رب کی جانب سے جو کچھ اتارا گیا،اس کی پیروی کرو''۔

ہدایت یافتہ اور عقل مند ہیں وہ لوگ جو اس کتابِ الٰہی کو حرزِ جاں بنا کر اس کی تعلیمات پر عمل

پیرا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَبَشِّرْ عِبَادِ. الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (الزمر:18،17) ''(اے نبی!) میرے ان بندوں کو خوش خبری دے دیجیے جو قرآن کو غور سے سنتے ہیں، پھر اس کی بہترین باتوں کی پیروی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی دانش مند ہیں''۔

جو لوگ کتابِ الٰہی کو تو پڑھتے ہیں مگر اس کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے، انھیں گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ فرمایا گیا: مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ (الجمعۃ:5) ''جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا مگر انھوں نے اُس کا بار نہ اٹھایا، اُن کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوی ہوں''۔

معراج کی رات رسول اکرم ﷺ کو جہنم کے کئی خوفناک مناظر دکھلائے گئے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر سے ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے...... میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: خُطَبَاءُ اُمَّتِكَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ ،وَیَقْرَأُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَا یَعْمَلُوْنَ بِهٖ ۔ ''یہ آپ ﷺ کی امت کے خطیب ہیں، جو لوگوں کو نصیحت کرتے تھے مگر خود بد عملی کا شکار تھے، اللہ کی کتاب پڑھتے تھے، مگر اس پر عمل نہیں کرتے تھے''۔ (صحیح الجامع الصغیر:129)

صحابہ کرامؓ قرآن مجید کو عمل کی نیت سے پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اصحابِ رسول کے بارے میں فرماتے ہیں: كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا یَتَعَلَّمُ عَشْرَ آیَاتٍ لَا یُجَاوِزُهُنَّ حَتّٰی یَعْرِفَ مَعَانِیَهُنَّ وَالْعَمَلَ فِیْهِنَّ ۔ ''ہم سے ہر کوئی دس آیتیں سیکھتا، اور اس وقت تک آگے نہیں بڑھتا جب تک کہ ان کے معانی کو اچھی طرح سمجھ نہ لیتا اور ان کو اپنی عملی زندگی میں نافذ نہ کر لیتا''۔

حضرت ابیؓ بن کعبؓ فرماتے ہیں: فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِیْعًا ۔ ''ہم نے قرآن اور اس کا علم و فہم اور عمل سب چیزیں ایک ساتھ حاصل کیں''۔ (تفسیر طبری: 1/60)

(٤) تعلیماتِ قرآنی کی دعوت : چوتھا حق قرآن مجید کی تعلیمات کی نشر و اشاعت

اوراس کے پیغام کی تبلیغ ہے۔قرآن مجید آخری ہدایت نامہ ہے۔موجودہ دور کی پریشان حال انسانیت کے درد کا مداوا ہے۔یہ نسخۂ شفاہے ،جس میں انسان کی جسمانی اورروحانی بیماریوں کا حقیقی علاج ہے۔یہ کتاب حقیقی منزل کا پتادیتی ہے۔آج دنیا پیاسی ہے،وہ سراب کو پانی سمجھ کراس کی طرف لپک رہی ہےاور ہرآواز کے پیچھے دوڑی چلی جارہی ہے۔لوگ حق کے متلاشی ہیں،تلاشِ حق میں وہ دردر کی ٹھوکریں کھارہے ہیں اورزبانِ حال سے کہہ رہے ہیں۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

ایسے میں حاملین قرآن کا فرض ہے کہ ان کی صحیح رہ بری کریں اورانھیں قرآن کے پیغام سے روشناس کرائیں،اور بتائیں کہ یہ تمھارے نام تمھارے رب کا پیغام ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۔(الأنبياء:10)''لوگو!ہم نے تمھاری طرف ایک ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمھارا ہی ذکر ہے،کیاتم سمجھتے نہیں ہو''۔

آپ ﷺکو بار باراس فریضہ کی طرف توجہ دلاتے ہوے فرمایا گیا:فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (ق:45)''پس تم اس قرآن کے ذریعے سے ہراس شخص کونصیحت کردو جو میری تنبیہ سے ڈرے''۔

اس فریضہ سے کوتاہی سنگین جرم ہے،اس سے غفلت کے نتیجہ میں مسلمان اللہ کی رحمت سے دور، دشمنوں کی ایذارسانیوں کا شکاراورعذابِ الٰہی میں گرفتار ہوجاتا ہے۔اسی لیے رسول اکرم ﷺکوخطاب کرکے فرمایا گیا کہ اس فریضہ کی ادائی کی صورت میں اللہ تعالیٰ دشمنوں کے مکروفریب اورایذارسانیوں سے آپ ﷺکی حفاظت فرمائے گا۔جیسا کہ ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (المائدہ:67)''اے پیغمبرؐ!جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو۔اگرتم نے ایسا نہ کیا تو اُس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا،اللہ تم کولوگوں کے شر سے بچانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کے حقوق کو سمجھنے اور ان کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نہی عن المنکر کی شرعی حیثیت

جدید تہذیب کے جہاں کئی فوائد ہیں، وہیں اس کے نقصانات بھی حدِّ شمار سے باہر ہیں۔ اہلِ مغرب نے مذہبی روایات اور اخلاقی اقدار کو یکسر نظر انداز کر کے انسانی زندگی اور اس کے تمام مسائل کو خالص مادی نقطۂ نظر سے پیش کیا۔ بدکاری، بے حیائی اور ہر قسم کے معاصی کو انسانی فطرت کا تقاضا قرار دیا، جس کے نتیجے میں فواحش ومنکرات کا ایک سیلاب امنڈ پڑا۔ زندگی کا کوئی بھی شعبہ فواحش ومنکرات سے محفوظ نہیں رہا۔ فواحش ومنکرات کے اس طوفانی دور میں نہی عن المنکر کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

نہی عن المنکر کی اہمیت : فواحش ومنکرات، افراد کے بگاڑ اور قوموں کی تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ہیں۔ زندہ قومیں ان کے ازالے اور خاتمے کے لیے ہمیشہ کوشاں اور سرگرداں رہتی ہیں۔ بحیثیت مسلم امت مسلمہ کو بار بار یہ فریضہ یاددلایا گیا اور اس کی اہمیت مختلف پیرائے میں واضح کی گئی۔ قرآن مجید میں مومنین کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: الْاٰمِـرُوْنَ بِـالْـمَعْـرُوْفِ وَالنَّـاهُـوْنَ عَـنِ الْـمُنْكَرِ ۔ (التوبہ:112) ’’نیک باتوں کا حکم دینے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے‘‘۔

ایک دوسرے مقام پر مومنوں کی آپسی محبت کا ایک تقاضا ’’نہی عن المنکر‘‘ بھی بتایا گیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے: وَالْـمُـؤْمِـنُـوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَـعْـضٍ، يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَـنْهَـوْنَ عَـنِ الْـمُـنْكَرِ.(التوبہ:71) ’’مومن مرد اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں‘‘۔

یہی فریضہ امت مسلمہ کا مقصدِ وجود بھی ہے، جس کی وجہ سے اس کو خیر امت کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ .(آل عمران:110)''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہو، تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو، بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہو''۔

اس فریضے کی ادائی کے لیے ایک جماعت کے قیام پر زور دیتے ہوئے فرمایا گیا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔(آل عمران:104)''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے، نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔ یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں''۔

سورۂ اعراف میں رسول ﷺ کی بعثت کا اولین مقصد معروف کی اشاعت اور منکر کا ازالہ بتایا گیا ہے۔(الاعراف:157)حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جن باتوں کی وصیت کی ان میں سے ایک یہ بھی تھی: يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ .(لقمان:17)''اے میرے پیارے بیٹے!نماز قائم کرو، بھلائی کا حکم دیتے رہو، اور برائی سے روکتے رہو اور اس راہ کی مصیبتوں پر صبر کرو، یقیناً یہ بڑے تاکیدی کاموں میں سے ہے''۔

اس فریضے کی ادائی سے معاشرے سے منکرات کا خاتمہ ہوتا ہے، اخلاق پروان چڑھتے ہیں ،سکون واطمینان اور امن کا بول بالا ہوتا ہے، ترقی کے مواقع فراہم ہوتے ہیں، عروج وسربلندی حاصل ہوتی ہے اور ایسی قوم اللہ کی رحمت کی مستحق بن جاتی ہے۔

نہی عن المنکر سے غفلت کے نقصانات : اس فریضے سے غفلت اور لاپرواہی کا پہلا نقصان یہ ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی متقی اور پرہیزگار کیوں نہ ہو منکر میں اس کے مبتلا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔اس فریضے سے غفلت کی وجہ سے بنی اسرائیل منکرات میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔اسی لیے اللہ تعالی نے مومنین کو اہل معاصی اور بدکاروں کی صحبت سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ارشاد ہے: وَقَدْ

نَـزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْـكِتٰـبِ اَنْ اِذَاسَـمِـعْتُـمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُبِهَاوَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰـى يَـخُـوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۔(النساء:140)''اوراللہ تعالی تمھارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ جب تم کسی مجلس والوں کو اللہ کی آیتوں کا کفر کرتے یا مذاق اڑاتے ہوے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، ورنہ تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو''۔

بدکاروں کی صحبت سے اجتناب کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح کی کوشش جاری رکھنے کا بھی حکم دیا گیا، جیسا کہ منافقین کی شرارتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا: اُولٰٓـئِكَ الَّـذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِم فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ۔(النساء:63)''یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کی بات اللہ تعالی جانتا ہے، پس آپ ان سے اعراض کیجیے، انھیں نصیحت کرتے رہیے اور انھیں وہ بات کہیے جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو''۔

لعنت اور غضب الٰہی : قدرت اور استطاعت رکھنے کے باوجود ازالہ منکر کی کوشش نہ کرنا اللہ کی لعنت اور اس کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔اس اہم ذمے داری سے بے توجہی کی وجہ سے بنی اسرائیل لعنت الٰہی کے مستحق ہوے۔جیسا کہ فرمایا گیا: لُـعِـنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ، كَانُوْا لَايَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ' لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۔(المائدہ:79۔78)''بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤدؑ اور عیسیٰؑ کی زبانی لعنت کی گئی، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے، روکتے نہ تھے، جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا''۔

قرآن مجید نے بنی اسرئیل کے علماء اور رہ نماؤں کی سخت مذمت کی کہ اللہ نے انھیں اصلاح کی عظیم ذمہ داری عطا کی تھی مگر وہ اپنے فرضِ منصبی سے غافل رہے، فرمایا گیا: لَـوْ لَا يَـنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ

وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ، لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ .

(المائدہ:63)''انھیں ان کے مشائخ اور علماء بری بات کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے، یقیناً بہت بری روش ہے جو وہ اختیار کیے ہوے ہیں''۔

اس فریضہ سے غفلت کا انجام بد : جب بھی کوئی قوم اس فریضے سے روگردانی کرتی ہے تو شکست وزوال اور ذلت وخواری اس کا مقدر بن جاتی ہے۔اس کی اجتماعی طاقت ختم ہو جاتی ہے اوراس کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ایک معروف عالمِ دین کے بقول:''اگر کسی دور میں یہ امت پوری کی پوری حق کے لیے قربانی کے جذبے سے خالی ہو جائے تو وہ اس کے انتہائی زوال اور پستی کا دور ہوگا۔ پھر وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے گی اور کوئی چیز اس کو تباہی سے نہ بچا سکے گی''۔(معروف ومنکر: 308)

چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۔ (ہود:117)''آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کردے اور وہاں کے لوگ اصلاح پسند ہوں''۔

اس فریضے سے کوتاھی عذاب الٰھی کا سبب : ازالۂ منکر سے غفلت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس جرم کی پاداش میں قومیں عذاب الٰہی کا شکار ہو جاتی ہیں۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ .(ترمذی:باب ماجاء فی الأمر بالمعروف والنھی عن المنکر:2323)''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکیوں کا حکم دیتے رہو اور برائیوں سے روکتے رہو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالی تم پر کوئی عذاب بھیج دے، پھر تم اس سے دعائیں کروگے لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی''۔

جو لوگ پر آشوب حالات میں بھی اپنی استطاعت کے مطابق منکر کے ازالے میں لگے رہتے ہیں، وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ چناں چہ اصحاب السبت کی گم راہی اور فریضہء

ازالہءِ منکر سے غفلت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا گیا: فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِۦٓ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوٓءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيسٍۭ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۔(الاعراف:165)''جب وہ ان باتوں کو بالکل فراموش کر گئے جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا، اس وجہ سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے''۔

استطاعت کے مطابق نہی عن المنکر کی کوشش : اسلام کسی پر اس کی حیثیت اور استطاعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۔(البقرہ:286) ''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''۔

ایک مومن اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق ہی برائیوں سے روکنے کا مکلّف ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ ۔(مسلم: باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان: 186)''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہیں تو زبان سے (اس برائی کو واضح کرے)، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا کم زور ترین درجہ ہے''۔

دل سے اسے برا جاننا نہی عن المنکر کا آخری درجہ ہے۔ اگر کسی دل میں برائی سے نفرت اور بیزاری بھی نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ایمان کی حرارت ختم ہو چکی ہے۔

برائیوں سے روکنے میں حالات کا لحاظ: نہی عن المنکر میں حالات اور ماحول کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے انکارِ منکر کو امت پر اس لیے واجب قرار دیا ہے کہ اس کے ذریعے معروف جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک پسندیدہ ہے، حاصل

ہو سکے۔لیکن اگر کسی منکر پر نکیر کی وجہ سے کوئی ایسا منکر وجود میں آئے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اس سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہو تو انکارِ منکر کی اجازت نہیں ہے۔

آگے لکھتے ہیں: اِنْکَارُ الْمُنْکَرِ أَرْبَعُ دَرَجَاتٍ۔ اَلْاُوْلٰی أَنْ یَّزُوْلَ وَیَخْلُفَهُ ضِدُّهُ۔ اَلثَّانِیَةُ أَنْ یَّقِلَّ وَاِنْ لَمْ یَزُلْ بِجُمْلَتِهٖ۔ اَلثَّالِثَةُ أَنْ یَّخْلُفَهُ مَا هُوَ مِثْلَهُ .اَلرَّابِعَةُ أَنْ یَّخْلُفَهُ مَا هُوَ شَرٌّ مِّنْهُ. فَالدَّرَجَتَانِ الْأُوْلَیَانِ مَشْرُوْعَتَانِ.وَالثَّالِثَةُ مَوْضِعُ اجْتِهَادٍ۔ وَالرَّابِعَةُ مُحَرَّمَةٌ ۔(اعلام الموقعین :15/2۔بحوالہ معروف ومنکر:317)''انکارمنکر کے چار درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ منکر اور برائی ختم ہو جائے اور اس کی جگہ معروف قائم ہو جائے۔دوسرا درجہ یہ ہے کہ منکر میں کمی آجائے ،خواہ وہ پوری طرح ختم نہ ہو۔تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ منکر تو مٹ جائے جس کی نکیر کی جارہی ہے،لیکن اس کی جگہ اسی کے برابر ایک دوسرا منکر آجائے۔چوتھا درجہ یہ ہے کہ منکر کے مٹنے کے بعد اس سے بدتر منکر پیدا ہو جائے۔پہلے دونوں درجے مشروع ہیں۔تیسرے درجے کے سلسلے میں اجتہاد کرنا ہوگا اور چوتھا درجہ حرام ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے منکر کے ازالے میں حالات کا پورا خیال رکھا ہے۔حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی پر جن لوگوں نے دھبہ لگانے کی کوشش کی تھی انھیں آپ نے اسّی اسّی کوڑے لگوائے مگر منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی جو اس معاملے میں پیش پیش تھا،اسے کسی قسم کی سزا نہیں دی۔

اس کی وجہ بتاتے ہوے حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:''اس کے پیچھے ایک پورا جتھہ تھا۔اس کو سزا دینے کی صورت میں کچھ ایسے خطرات تھے کہ جن سے نمٹنا اس وقت مسلمانوں کے لیے مشکل تھا،اس لیے مصلحتاً اسے سزا دینے سے گریز کیا گیا''۔(تفسیر احسن البیان:968)

منکر کی اشاعت میں تعاون ،جرم عظیم : منکر کی اشاعت میں کسی بھی قسم کا تعاون سنگین جرم ہے۔ایسے لوگ بھی دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی کا شکار ہوں گے۔فرمایا گیا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۔(النور:19)''جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا

اور آخرت میں دردناک عذاب ہے‘‘۔

اشاعت منکر کی مختلف صورتیں ہیں۔مولانا حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں: ’’جولوگ رات دن مسلم معاشرے میں اخبارات، ریڈیو، ٹی وی، فلموں اور ڈراموں کے ذریعے سے بے حیائی پھیلا رہے ہیں اور گھر گھر اسے پہنچا رہے ہیں، اللہ کے ہاں یہ کتنے بڑے مجرم ہوں گے اور ان اداروں میں کام کرنے والے ملازمین کیوں کر اشاعت فاحشہ کے جرم سے بری الذمہ قرار پائیں گے؟ اسی طرح اپنے گھروں میں ٹی وی لا کے رکھنے والے، جس سے ان کی آئندہ نسلوں میں بے حیائی پھیل رہی ہے، وہ بھی اشاعت فاحشہ کے مجرم ہی قرار پائیں گے۔ اور یہی معاملہ فواحش ومنکرات سے بھرپور روزناموں اور اخبارات کا ہے کہ ان کا بھی گھروں کے اندر آنا اشاعت فاحشہ کا ہی سبب ہے‘‘۔
(احسن البیان: 969)

اللہ تعالیٰ ہمیں منکرات سے بچنے اور دوسروں کو ان سے باز رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

رسول ﷺ کی معاشی زندگی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام دینی حیثیت سے ایک رسول کا ہے اور دنیوی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو آپ ؐ کی حیثیت کسی فرماں روا یا بادشاہ وقت سے کم نہیں۔ دنیا کے بادشاہوں کے جاہ وجلال، ان کے عالی شان محلات، ان کے فاخرانہ لباس اور ان کی عیش پرستانہ زندگی سے کون واقف نہیں مگر محمد ﷺ ایک ایسے منفرد اور بے مثال بادشاہ گزرے ہیں جنھوں نے بادشاہی میں فقیری کی ۔ یہاں نہ بادشاہوں کا جاہ وجلال ہے اور نہ عالی شان محلات ، نہ تخت وتاج ہے اور نہ ہی شاہی دربار۔ آپ ؐ کی محفلیں بے جا تکلفات اور شاہانہ تزک واحتشام سے بہت دور تھیں۔ بسا اقات ایسا بھی ہوتا کہ باہر سے آنے والوں کو دریافت کرنا پڑتا کہ تم میں محمد ﷺ کون ہے؟

اس بے تاج بادشاہ نے نہ صرف جسموں پر حکومت کی بلکہ اس نے دلوں کو بھی مطیع و فرماں بردار بنا لیا ،جس کے ایک اشارے پر سب کے سب اپنی جان نثار کرنے کے لیے تیار ہوجاتے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی نے (جو مکہ والوں کی جانب سے صلح ومصالحت کا قاصد بن کر آیا تھا) نبی کریم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام ؓ کے تعلق خاطر کا جو حال دیکھا واپس جاکر ان الفاظ میں بیان کیا:''اے قوم! اللہ کی قسم! میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جاچکا ہوں۔ میں نے کسی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ؐ کے ساتھی محمد ؐ کی کرتے ہیں''۔(الرحیق المختوم:532)

آیئے اس شاہ امم کی معاشی زندگی کا مطالعہ کریں کہ انھوں نے اس میدان میں ہمارے لیے کیا نمونہ چھوڑا ہے۔

بعثت سے قبل آپ ﷺ نے حصول معاش کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ اپنایا۔ بچپن میں بکریاں چَرائیں۔ پھر جب جوان ہوے تو تجارت کرنے لگے۔نبوت کا عظیم منصب ملنے کے بعد

حصول معاش کی فکر سے آزاد ہوکر پوری یکسوئی کے ساتھ اس ذمے داری کی انجام دہی میں مصروف ہوگئے۔تاریخ میں کہیں نہیں ملتا کہ نبوت ملنے کے بعد آپؐ نے حصول معاش کے لیے کوئی ذریعہ اپنایا ہو۔وفادار بیوی نے اپنا سارا مال آپ ﷺ کے لیے اور دین کی اشاعت کے لیے وقف کردیا تھا۔اسی پر آپ ﷺ کا گزارا ہوتا تھا۔عہد مدنی میں جب فتوحات کے نتیجے میں مال غنیمت حاصل ہوا تو اس کا پانچواں حصہ اور مال فئی کا ایک حصہ آپ کا حق قرار دیا گیا،مگر اس میں سے بھی آپ اپنی ضروریات کے لیے بہت کم لیتے تھے۔اکثر مسلمانوں کے مفادات ہی میں استعمال کرتے۔جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: وَالْخَمُسُ مَرْدُوْدٌ عَلَیْکُمْ۔ (نسائی:باب قسم الفيء: 4155)''خمس غنیمت بھی تمھارے ہی اجتماعی مصالح کے لیے استعمال ہوگا''۔

زہد وقناعت کی وجہ سے اکثر فاقوں کی نوبت آتی۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: لَقَدْ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَمَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَزَیْتٍ فِیْ یَوْمٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ۔ (مسلم:باب قوله ﷺ الدنیاسجن المؤمن :7643)''رسول اللہ ﷺ دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ نے کبھی دن میں دو مرتبہ سیر ہوکر روٹی اور روغن نہیں کھایا''۔

حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ہے:مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ ۔(ترمذی:باب معیشة النبی ﷺ وأهله) ''رسول اللہ ﷺ کبھی دو دن مسلسل جو کی روٹی کھا کر آسودہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے''۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے: رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَلْتَوِیْ فِی الْیَوْمِ مِنَ الْجُوْعِ (ابن ماجہ: باب معیشة آل محمد الزهد)''میں نے رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ بسا اوقات بھوک کی وجہ سے دن میں زمین پر لوٹتے رہتے''۔

خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں : لَمْ یَأْکُلِ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی خِوَانٍ حَتّٰی مَاتَ وَمَا أَکَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتّٰی مَاتَ۔(بخاری:باب فضل الفقر:6450)''رسول ﷺ کو زندگی میں نہ کبھی باریک اور عمدہ آٹے کی روٹی نصیب ہوی اور نہ عالی شان دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا

نصیب ہوا"۔

صحیح مسلم میں مشہور واقعہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ بھوک کی شدت سے بیتاب ہو گئے، گھر سے باہر نکلے، راستے میں ابوبکرؓ اور عمرؓ سے ملاقات ہوی، آپؐ نے ان سے بے وقت گھر سے نکلنے کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے کہا: بھوک کی شدت نے ہمیں اس وقت نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میرا بھی یہی حال ہے۔ پھر آپ ﷺ دونوں کو لے کر ایک انصاری کے گھر گئے۔ انھوں نے بڑی خوش دلی سے تمام کی ضیافت فرمائی۔ (مسلم: باب جواز استباعة غیره الی داره ..)

ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرت ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ دریافت کیا کہ کھانے کے لیے کچھ ہے؟ انھوں نے جواب دیا: روٹی کے کچھ سوکھے ٹکڑے اور سرکہ علاوہ کچھ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: وہی لے آو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پیٹ پر ایک پٹی بندھی ہوی ہے۔ میں نے اصحاب رسول سے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا: بھوک کی شدت کی وجہ سے آپ ﷺ نے یہ طریقہ اپنایا ہے۔ (مسلم: باب جواز استباعة غیره الی داره ..)

یہ صرف آپؐ کا نہیں بلکہ آپ کے تمام گھر والوں کا حال تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا وَأَهْلُهُ لَايَجِدُوْنَ عَشَاءً وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيْرِ۔ (ترمذی: باب معيشة النبی ﷺ واهله:2534) "رسول ﷺ اور آپؐ کے اہل وعیال کی کئی راتیں فاقے میں گزر جاتیں۔ انھیں رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا جب کہ عموما آپؐ کی غذا جو کی روٹی ہوا کرتی"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: مَاأَشْبَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَهْلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ تِبَاعًا مِّنْ خُبْزِ حِنْطَةٍ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا۔ (ترمذی: باب معيشة النبی ﷺ واهله) "رسول ﷺ نے اپنے اہل خانہ کو کبھی بھی مسلسل تین دن گیہوں کی روٹی نہیں کھلائی"۔ خود حضرت عائشہؓ امہات المومنین کے گھروں

کی حالت اپنے بھانجے عروہ بن زبیرؓ سے ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں: اِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ اِلَى الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ ثَلَاثَةِ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا أُوقِدَ فِي أَبْيَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَارٌ قُلْتُ: يَا خَالَةُ !فَمَا كَانَ يُعَيِّشُكُمْ ؟ قَالَتْ: اِلْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ اِلَّاأَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ جِيْرَانٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَكَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ يُرْسِلُوْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنْ أَلْبَانِهَا فَيَسْقِيْنَا ۔ (بخاری:باب کیف کان عیش النبی ﷺ:6459)''دودو مہینے گزر جاتے مگر ازواج مطہرات کے گھروں میں چولہا نہیں سلگتا۔عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا: خالہ جان! پھر آپ لوگوں کا گزر بسر کیسے ہوتا؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: اکثر پانی اور کھجور پر ہمارا گزران ہوتا۔ بسا اوقات آپ کے انصاری پڑوس اونٹنی کا دودھ بھیج دیتے تو آپ ﷺ وہ ہمیں پلا دیتے''۔ابن ماجہ میں ہے کہ اس وقت رسول ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔

جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور مال غنیمت کی بہتات ہوی تو بہت سے مسلمان خوش حال ہوگئے۔ یہ دیکھ کر امہات المومنین کے دلوں میں بہ تقاضائے بشریت یہ خواہش پیدا ہوی کہ رسول ﷺ سے نان ونفقہ میں اضافے کا مطالبہ کریں۔ جب وہ مطالبہ کرنے لگیں اور اصرار بڑھتا گیا تو آپ ﷺ سخت کبیدہ خاطر ہوگئے اور بیویوں سے علاحدگی اختیار کرلی جو ایک مہینے تک جاری رہی۔ بالاخر سورۂ احزاب کی یہ آیتیں نازل ہویں: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۔(28،29)''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ تم اگر دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ! میں تم کو کچھ مال ومتاع (دنیوی) دے کر خوبی کے ساتھ رخصت کروں۔اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں نیکو کاروں کے لیے اللہ تعالی نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے''۔

ان آیتوں کو سننے کے بعد امہات المومنین دنیا کے عیش وآرام کو چھوڑ کر رسول ﷺ کے ساتھ زہد وقناعت کی زندگی پر راضی ہوگئیں۔آپ ﷺ چاہتے تو ازواج مطہرات کے نان ونفقہ میں

اضافہ کر سکتے تھے مگر آپ ﷺ چاہتے تھے کہ امہات المومنین دنیا کے معاملات میں بھی امت کے لیے مثالی رہیں۔

ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے بال بچے اور اہل وعیال خوش حال رہیں۔ دنیوی تکالیف اور معاشی پریشانیوں سے مامون ومحفوظ رہیں۔ مگر آپ ﷺ نے اپنے اہل وعیال کے لیے کبھی ایسی تمنا نہ کی۔ اس کے برعکس آپؐ یہ دعا کیا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔ (ابن ماجہ: باب القناعة :2520) ''خداوندا! خانوادہ محمد کو اتنا رزق مہیا فرما کہ وہ زندہ رہ سکیں''۔

ایک مرتبہ چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ نے آکر شکایت کی کہ گھر کا کام بہت زیادہ ہے۔ میں اکیلی کام کرتے کرتے تھک جاتی ہوں، میرے لیے ایک خادم کا انتظام کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے انھیں خادم دینے کی بجائے فرمایا کہ اللہ کو خوب یاد کرو، یہ تمھارے لیے خادم سے بہتر ہے اور اس سے تمھاری تھکان بھی دور ہو جائے گی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: سونے سے پہلے 33 رمرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ''، 33 ر''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' اور 34 رمرتبہ ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ'' پڑھا کرو''۔ (بخاری: باب خادم المرأة)

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''احد پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک بھی دینار باقی ہو، بجز اس رقم کے جو ادائے قرض کے لیے رکھ چھوڑوں''۔

آپ ﷺ بہت ہی معمولی بستر پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: كَانَ ضِجَاعُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أُدُمًا حَشْوُهُ لِيْفٌ۔ (ابن ماجہ: کتاب الزهد: باب ضجاع آل محمد ﷺ :4290) ''رسول ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک سادہ چٹائی پر سو گئے۔ جب اٹھے تو پہلو پر چٹائی کے نشانات تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم آپ کے لیے آرام دہ بستر کا انتظام کر دیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: میرا اس دنیا سے کیا واسطہ، میرا اس دنیا سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ ایک راستہ چلتے مسافر کا سایہ دار درخت سے

ہوتا ہے، جو کچھ دیر ستانے کے بعد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔(ابن ماجہ: کتاب الزھد : باب مثل الدنیا)

سکن مبارک : ''رسول اللہ ﷺ کم سن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔اپنے دادا اور چچا کے گھر میں پرورش پائی۔یہیں شعور کی عمر کو پہنچے۔پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوی اور انھیں کے گھر میں رہنے لگے۔مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد چھے ماہ تک آپ ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں مقیم رہے۔مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اس کے اطراف میں اہل وعیال کے حجرے تعمیر کروائے۔تب جا کر مکہ سے اہل وعیال کو بلوایا اور حجروں میں ان کو رکھا۔آخری ایام میں آپ ؐ کی نو بیویاں تھیں اور الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں،جن میں نہ صحن تھا،نہ دالان اور نہ کوئی کمرہ۔ ہر حجرے کی وسعت چھے سات ہاتھ سے زائد نہ تھی۔دیواریں مٹی کی تھیں جن میں جا بجا شگاف پڑ گئے تھے۔ چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔بارش کے زمانے میں ان پر کمبل ڈال دیے جاتے تھے تا کہ پانی اندر نہ آئے۔بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ لگا سکتا تھا۔حجروں کے دروازوں پر ایک پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا۔سخت سے سخت گرمی کا موسم بھی ان ہی میں گزر جاتا تھا۔مسجد نبوی کا صحن گویا آپ کا دیوان خانہ تھا۔دن کو عموماً آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ یہیں تشریف فرما ہوتے اور یہیں وعظ فرماتے اور قرآن کا درس دیتے''۔

گھریلو سامان : حضرت عمر بن خطابؓ مسکن نبوی کا آنکھوں دیکھا حال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ کاشانۂ نبوت میں داخل ہوا۔آپ ﷺ ایک معمولی چٹائی پر لیٹے ہوے تھے۔ جسم پر تہبند کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا نہیں تھا۔چٹائی کے نشانات پہلو پر نمایاں تھے۔گھر کے سامان کا یہ حال تھا کہ ایک طرف مٹھی بھر جو کے دانے پڑے ہوے تھے۔ایک کونے میں کسی جانور کی کھال رکھی ہوی تھی اور دوسری کھال ایک طرف لٹک رہی ہے۔یہ حالت دیکھ کر میرا دل بے قابو ہو گیا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔آپ ؐ نے فرمایا: عمرؓ! کیوں رو رہے ہو؟ میں نے کہا: کیوں نہ روؤں، آج قیصر وکسریٰ عیش وراحت کے مزے لوٹ رہے ہیں، جب کہ وہ اللہ کی بندگی سے غافل ہیں اور

آپ سرورِ دو جہاں ہوکر اس حالت میں ہیں کہ گھر میں ایک چیز بھی آرام کی میسر نہیں ہے، اور ایسی چٹائی پر آپ لیٹے ہوے ہیں جس کے نشانات آپؐ کے پہلو پر ظاہر ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا :عمر! کیا تمھیں نہیں کہ قیصر وکسریٰ دنیا لیں اور ہمیں آخرت نصیب ہو! حضرت عمرؓ یہ جواب سن کر مطمئن ہو گئے''۔(بخاری:باب تبتغی مرضات أزواجك)

حضرت عمرو بن حارثؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ مَوْتِهِ دِرْهَمًا وَلَادِيْنَارًا وَلَا أَمَةً وَلَا شَيْئًا اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهُ وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً۔ (بخاری:باب مرض النبی ﷺ ووفاته:باب الوصایا **:2739**)''رسول ﷺ نے دنیا سے رحلت کے وقت نہ تو درہم و دینار چھوڑے اور نہ غلام اور لونڈی، کوئی چیز آپ ﷺ نے نہیں چھوڑی سوائے اپنے سفید خچر، ہتھیار اور تھوڑی سی زمین کے جو صدقہ کر گئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے مال میں سے کسی بھی چیز کی وصیت نہیں فرمائی''۔

یہ ہیں شاہ امم کی کتاب زندگی کی تفصیلات، جس کا ایک ایک ورق ہمارے لیے سبق آموز اور اسوہ حسنہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ☆☆☆

شانِ رسول ﷺ میں گستاخی

رسول اکرم ﷺ کی سیرت پیدائش سے لے کر وفات تک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو لوگوں کی نظروں سے مخفی ہو بلکہ آپ ﷺ کی کتابِ زندگی کا ایک ایک ورق لوگوں کے سامنے واضح اور روشن ہے، یہاں تک کہ نبوت سے پہلے کی زندگی بھی پردۂ خفا میں نہیں۔ آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق کے پیکر تھے۔ قرآن نے آپؐ کے عظمتِ کردار کی گواہی ان الفاظ میں دی ہے: وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. (القلم: 4) ''اور یقیناً آپ عظیم اخلاق والے ہیں''۔

آپ ﷺ جو کہتے، سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتے تھے۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: آپ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ آپؓ نے جواب دیا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ۔ (صحیح الجامع الصغیر: 4811) یعنی آپ ﷺ کی سیرت قرآنی تعلیمات کی عملی تفسیر تھی۔

آپ ﷺ کے بلند کردار کی گواہی دوستوں ہی نے نہیں بلکہ جانی دشمنوں نے بھی دی ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ دورانِ سفر تنہا درخت کے نیچے آرام فرمار ہے تھے۔ آپ ﷺ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی۔ موقع کو غنیمت جان کر ایک دشمن آہستہ سے آپ کے قریب آیا اور تلوار سونت لی اور آپ ﷺ کو بیدار کرتے ہوئے کہا: مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ يَا مُحَمَّدُ! محمدؐ! بتاؤ، اب تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے پورے اطمینان کے ساتھ جواب دیا: اللہ مجھے بچائے گا۔ یہ سننا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ ﷺ نے تلوار اٹھالی۔ وہ رحم وکرم کی درخواست کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اللہ کے معبود ہونے اور میرے رسول ﷺ ہونے کی گواہی دیتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، البتہ میں عہد کرتا ہوں کہ کبھی آپ کے خلاف جنگ نہیں کروں گا، اور نہ آپ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ وہ خوشی خوشی اپنے قبیلے کی طرف لوٹ گیا اور کہنے لگا: جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ۔ میں تمھارے پاس اس شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو دنیائے

انسانیت میں سب سے افضل ہے''۔(بخاری:باب غزوۃ الرقاع:4135،التعلیقات الحسان علی صحیح ابن حبان:باب صلاۃ الخوف)

آپ ﷺ کے اخلاق و کردار نے صحابہؓ کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ ہمیشہ آپ ؐ پر جان نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔حضرت خبیب بن عدیؓ سولی پر لٹکا دیے گئے،ایسے میں دشمن نے کہا:خبیبؓ! اب تم چاہ رہے ہوگے کہ تمھاری جگہ محمدؐ کو سولی پر لٹکا دیا جائے اور تمھیں چھٹکارا مل جائے؟ محبتِ رسول سے سرشار حضرت خبیبؓ نے جواب دیا:اللہ کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ کے پیر میں کوئی معمولی کانٹا چبھ جائے اور میں زندہ رہوں۔میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ کو اس کانٹے کی تکلیف سے بچانے کے لیے اپنی جان قربان کردوں۔(الرحیق المختوم،ص:454)

جہاں اس دنیا میں آپ ﷺ کو اس قدر چاہنے والے تھے، وہیں کچھ ایسے بھی تھے جو آپ ﷺ کو ہمیشہ ایذا پہنچاتے،تکلیفیں دیتے،آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے۔کبھی آپ ﷺ کو جادوگر کہتے، کبھی شاعر اور مجنون کہتے اور کبھی ''رَاعِنَا''(اے ہمارے چرواہے) کہہ کر خطاب کرتے۔

آپ ﷺ کی مجلس میں آتے تو ''السلام علیکم'' کی بجائے ''السام علیکم''(آپ ﷺ کی موت واقع ہو) کہتے۔(بخاری:باب الرفق فی الأمر کله)

کفار و مشرکین اور اہل کتاب نے آپ ﷺ کو جسمانی اور روحانی اذیت پہنچانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔آپ ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ اور کلمات استعمال کیے،طعن و تشنیع کے جملے کسے،مذاق اڑایا،آپ ﷺ کو ہراساں اور پریشان کرنے کی مختلف تدبیریں کیں،راستے میں کانٹے بچھائے،گھر میں گندگی پھینکی،نماز کی حالت میں آپ ﷺ کی گردن پر غلاظت سے بھری ہوی اوجھڑی رکھ دی،آپ ﷺ پر پتھر برسائے،آپ ﷺ کی راہ میں روڑے اٹکائے اور آپ ﷺ کی عزت و ناموس پر حملہ کیا۔ان شرپسندوں نے پورے عرب میں آپؐ کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کیے، لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکایا اور اکسایا،آپ ﷺ کا بائیکاٹ کیا،آپ ﷺ کا جینا دوبھر کردیا، اور آپ ﷺ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے نت نئی سازشیں کیں۔یہ سب کچھ آپ ﷺ کی زندگی میں ہوا،

اورقرآن نے کہا کہ یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوگا بلکہ یہ ہمیشہ جاری رہے گا۔جیسا کہ فرمایا گیا: وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا. (آل عمران:**186**)''اورتم یقیناًان لوگوں کی جانب سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اورمشرکین کی جانب سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنوگے''۔

یہ قانونِ الٰہی ہے، جوحق وباطل کی کش مکش کاایک حصہ ہے۔باطل حق کوسرنگوں کرنے کے لیے ہردور میں زورآزمائی کرتارہاہےاورکرتارہے گا۔اس کےحربوں میں سےایک حربہ توہینِ رسالت بھی ہے۔ارشادِباری تعالیٰ ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ يُوۡحِىۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ مَافَعَلُوۡهُ. (الانعام:**112**)

''اورہم نے (ماضی میں بھی)اسی طرح ہرنبی کے لیے،انسان اورجنات میں سےشیاطین کودشمن بنا دیا تھا،جن میں سے ایک دوسرے کو دھوکے میں رکھنے کے لیے چکنی چپڑی باتیں کہا کرتے تھے، اوراگرآپ کارب چاہتاتووہ ایسانہیں کرتے''۔

دورِحاضرمیں شانِ رسول ﷺ میں گستاخی کے جوواقعات وقتاًفوقتاًپیش آرہے ہیں،یہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔مگرآج کے شرپسندوں نے توہینِ رسالت کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی جرأت کامظاہرہ کیاہے۔وہ اس معاملے میں اپنے پیش روؤں سے بھی آگے بڑھے ہوے ہیں۔ انھوں نےآپ ﷺ پرالزامات کاایک نیاسلسلہ شروع کیاہے۔آپ کےکردارکومسخ کرنا،آپ ﷺ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنا،آپ ﷺ کی عفت وعصمت کوداغ دارکرنا،فحش اورگندی تصویریں بناکرآپ ﷺ کوان کامصداق قراردینا،آپ ﷺ کےخیالی کارٹون بناکردنیاوالوں کویہ باورکرانا کہ دورِحاضرمیں دہشت گردی اورشدت پسندی کےرونماہونے والے واقعات آپ ﷺ کی تعلیمات کانتیجہ ہیں،ان کےروزمرہ کامعمول بن گیاہے۔

ابھی پچھلے دنوں ایک پادری نے پہلےتوقرآن پاک کونذرِآتش کیااورپھرامریکی یہودیوں کے

تعاون سے لاکھوں ڈالر کی لاگت سے ایک ایسی شرانگیز فلم بنائی جس میں رسول اکرم ﷺ کے کردار کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس فلم کے بعض حصے عربی زبان میں ترجمہ کرکے یوٹیوب پر ڈالے گئے ہیں۔فرانس کے ایک جریدے نے نبی کریم ﷺ کے انتہائی اشتعال انگیز اور توہین آمیز کارٹون شائع کیے ہیں۔یہ کارٹون اتنے بے ہودہ اور گھناؤنے تھے کہ ان کا تذکرہ بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔امریکہ اور یورپ ہی نہیں بلکہ ہندوستان میں بھی بعض شر پسند اور فرقہ پرست طاقتیں بھی آئے دن آپ ﷺ کے کردار کو داغ دار کرنے اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو مسخ کرنے میں مصروف ہیں۔(سہ روزہ دعوت: 4/اکتوبر2012ء:ص:7)

ان حالات میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس مسئلے میں مسلمانوں کا موقف اور طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟ جیسا کہ بتایا گیا کہ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اس سلسلے میں قرآن وحدیث میں مسلمانوں کو بہت سی ہدایات دی گئی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) جذباتیت سے اجتناب: شانِ رسالت میں گستاخی، ایک ایسا سنگین جرم ہے کہ ایک عام مسلمان جس کے دل میں ایمان کی تھوڑی سی بھی رمق باقی ہو، وہ اس کو برداشت نہیں کرسکتا، مگر یہی صبر کے امتحان کا اصل وقت ہے۔ایسے ہر موقع پر رسول ﷺ کو اور اصحابِ رسول کو صبر وضبط سے کام لینے کا حکم دیا گیا۔جیسا کہ فرمایا گیا: وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا. (آیت:10،11)''اور کفار جو کچھ (آپ کے بارے میں) کہتے ہیں، اس پر صبر کیجیے، اور اچھے ڈھنگ سے ان سے الگ ہو جائیے''۔

دوسری جگہ فرمایا گیا: وَدَعْ اَذٰهُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ۔(الأحزاب:48)''اور ان کی ایذا رسانیوں پر دھیان نہ دیجیے، اور اللہ پر بھروسہ کیجیے''۔

ان کے علاوہ سورہ طہٰ، آیت نمبر 130، سورۂ ص: آیت نمبر:38، اور سورۂ ق: آیت نمبر:50

میں ایسے نازک لمحات میں صبر سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

اکثر ایسے موقعوں پر صحابہ کرامؓ کی بھی ایمانی غیرت جاگ اٹھتی تھی اور وہ شر پسندوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا ارادہ ظاہر کرتے مگر اللہ کے رسول ﷺ صبر وضبط کی تلقین فرماتے ۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں نے غزوۂ بنوالمصطلق کے موقع پر حضرت عائشہؓ پر بدکاری کا الزام لگا کر آپ ﷺ کی عزت و ناموس پر حملہ کیا۔اس وقت آپ ﷺ اس قدر پریشان تھے کہ ایک دن آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: مَنْ يَعْذُرُنِيْ مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِيْ عَنْهُ أَذَاهُ فِيْ أَهْلِيْ ۔(بخاری:باب حديث الإفك: **4141**)''مجھے اس شخص کے شر سے کون نجات دلائے گا جس نے میرے گھر والوں پر بدکاری کا الزام لگا کر مجھے تکلیف پہنچائی''۔حضرت عمرؓ نے جب اسے قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ ﷺ نے انھیں روک دیا۔(الرحیق المختوم:**522**)

ایک مرتبہ آپ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم کررہے تھے۔ایک شخص نے کہا:اِعْدِلْ يَا مُحَمَّدُ ! فَإِنَّكَ لَمْ تَعْدِلْ ۔اے محمد!(ﷺ) انصاف سے کام لو،آپ نے انصاف نہیں کیا۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: وَيْلَكَ وَمَنْ يَّعْدِلُ بَعْدِيْ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ ۔افسوس ہے تجھ پر!اگر میں انصاف نہ کروں تو میرے بعد پھر کون انصاف کرے گا؟ حضرت عمرؓ طیش میں آگئے اور فرمایا:دَعْنِيْ أَضْرِبُ عُنُقَ هٰذَاالْمُنَافِقِ ۔ اے اللہ کے رسول ﷺ!اجازت دیجیے کہ اس منافق کا سر قلم کردوں؟ آپ ﷺ نے منع فرمایا۔(بخاری: باب من ترك قتال الخوارج للتألف وأن لاينفرالناس عنه :**6933**)

عموماً مسلمان ایسے موقعوں پر جذبات سے مغلوب ہوکر ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جن سے فائدے کی بجائے مزید نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ایسے غیر دانش مندانہ رویہ سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہیے۔

(۲)پُرامن احتجاج : جمہوری ممالک میں حکومت اور ان لوگوں تک جو اس طرح کی نازیبا حرکت کرتے ہیں، اپنی بات پہنچانے کا ایک موثر ذریعہ احتجاج ہے جو اجتماعی مظاہرے کی شکل میں کیا جاتا ہے۔اس احتجاج کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عوام کے سامنے ظلم کی شناعت واضح کرکے ان سے تعاون حاصل کیا جائے اور ظالم پر دباؤ ڈال کر ظلم سے باز رکھا جائے۔اسلام بھی اس طرح کے احتجاج

کی اجازت دیتا ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۔ (النساء:148) ''اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ کوئی شخص برائی بآوازِ بلند بیان کرے، سوائے اس آدمی کے جس پر زیادتی ہوی ہو''۔

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول ﷺ سے اپنے پڑوسی کی شکایت کرتے ہوے کہا کہ میں اس کی ایذ ارسانیوں سے تنگ آچکا ہوں، بتایئے کہ میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنا سامان نکال کر راستہ پر بیٹھ جاؤ۔ اس آدمی نے ایسا ہی کیا، وہاں سے گزرنے والا ہر شخص اس سے پوچھتا کہ کیا بات ہے؟ وہ کہتا کہ میرا پڑوسی مجھے ایذا پہنچا تا ہے، تو راہ گیر پڑوسی کو بددعا دیتا اور کہتا کہ اللہ اسے رسوا کرے۔ آخر کار پڑوسی اس کے پاس آیا اور کہا کہ اپنے گھر میں چلے جاؤ، اللہ کی قسم! اب میں تمھیں کبھی نہیں ستاؤں گا''۔ (صحیح ابن حبان: باب الجار)

یہ احتجاج پر امن طریقے سے ہو۔ ہمارے احتجاج سے عوام کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہ پہنچے۔ عام طور پر ایسے موقعوں پر عوامی اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ یہ ایسی حرکتیں ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک کے جرم کی سزا دوسرے کو دی جائے۔ اسلام ہمیں میدانِ جنگ میں بھی ظلم وزیادتی سے روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا.اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ. (البقرۃ:190) ''اللہ کی راہ میں قتال کرو ان لوگوں سے جو تم سے قتال کرتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

اس کے علاوہ ایسے موقع پر بہت سی بے اعتدالیاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے معصوم اور بے گناہ لوگ مارے جاتے ہیں، اور خود کئی مسلمان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اسلام اور مسلم دشمن طاقتوں کی کوششیں یہی ہوتی ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے مذہب کے حوالے سے مشتعل کرکے سڑکوں پر لائیں اور وہ پولیس کی تشدد کا نشانہ بنیں۔ امریکہ اور فرانس میں توہینِ رسالت کی گھناؤنی حرکتوں کے بعد پوری دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں میں جو اشتعال اور غم وغصہ پیدا ہوا ہے، اس کے نتیجے میں اب

تک درجنوں ہلاکتیں ہوچکی ہیں۔اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ جارحانہ رویہ سے باز رہیں۔

اعدائے اسلام کے ان بے بنیاد الزامات کا اصل مقصد یہ ہے کہ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر روک لگائی جائے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ۔(حم السجدۃ:26)''اور کافروں نے کہا:لوگو!اس قرآن کو نہ سنا کرو،اور اس میں تشویش پیدا کرو،شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ''۔مگر یہ ایسا سیلاب ہے جس کے آگے مضبوط سے مضبوط بند کی حیثیت بھی تارِ عنکبوت سے زیادہ نہیں ہے، بلکہ یہ وہ بھڑکتی ہوی آگ ہے جس کو دباؤ تو شعلہ بنتی ہے۔کفر وشرک کی تیز وتند آندھیاں شجرِ اسلام کی مضبوطیں آسمان کی بلندیوں میں پھیلی ہوی ہیں: اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ. (ابراھیم:24)

اہلِ مکہ نے لوگوں کو آپ ﷺ سے دور رکھنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا،مگر ان کی ساری تدبیریں اہلِ عقل ودانش کو آپ ﷺ سے دور کرنے کی بجائے غور وفکر کرنے پر آمادہ کیں،اور اس چیز نے انھیں اسلام کا مطالعہ کرنے اور رسولِ رحمت کی طرف توجہ دینے پر مجبور کیا۔غور وفکر اور مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ انھیں جس کی تلاش تھی،وہ یہاں موجود ہے۔

دورِ حاضر میں بھی یہی ہوا اور ہو رہا ہے۔رسول اکرم ﷺ کو اور آپؐ کی تعلیمات کو جس قدر بدنام کیا گیا اسی قدر لوگوں میں آپ ﷺ کی سیرت کو جاننے اور آپ کے پیغام کی حقیقت کو سمجھنے کے بارے میں تجسس بڑھا۔جدہ،سعودی عرب سے شائع ہونے والے جریدے''حج وعمرہ'' کی رپورٹ کے مطابق اسلامک فاؤنڈیشن برطانیہ کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر مناظر احسن نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ ۱۱ر ستمبر کے بعد برطانیہ میں قرآن مجید کی فروخت سات گنا بڑھ گئی ہے۔قبولِ اسلام کی شرح میں ۵ تا ۱۰ فی صد اضافہ ہوا ہے''۔(فضائل رحمۃ للعالمین:بحوالہ ہفت روزہ تکبیر،کراچی،4راگست:2004ء)

موجودہ دور میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جو نازیبا حرکتیں کی جارہی ہیں ان کا ایک اہم محرک بعض نادان مسلمانوں کا غلط کردار بھی ہے۔کسی مذہب کو سمجھنے کے لیے موجودہ دنیا اس مذہب کی تعلیمات سے بڑھ کر اس کے متبعین کے اخلاق وکردار کی طرف توجہ دیتی ہے۔یقیناً آج مسلمانوں کی ایک بڑی

تعداد جس اخلاق و کردار کا مظاہرہ کر رہی ہے، اس سے اسلام کی غلط تصویر ہی لوگوں کے سامنے آ رہی ہے۔خصوصاً بعض جذباتی نوجوانوں کی متشددانہ حرکتوں سے اسلام بہت بدنام ہوا۔ یہ حقیقت ہمیں محاسبے کی دعوت دیتی ہے۔قرآن مجید میں بار بار اس بات کی صراحت کی گئی کہ اگر مسلمان حقیقی معنوں میں متقی بن جائیں تو پھر اعدائے اسلام اپنی سازشوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔قرآن مجید میں ان کی ان ناپاک سازشوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا ۔(آل عمران:120)''اور اگر تم صبر کرتے رہو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے تو ان کا مکر وفریب تمھیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا''۔

پیغمبرِ اسلام کو بدنام کرنے کی جو لوگ کوششیں کر رہے ہیں، ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جو آپ ﷺ کی حقیقت سے ناواقف ہیں، ان تک آپ ﷺ کے بارے میں معلومات غلط ذرائع سے پہنچی ہیں۔ قرآن مجید کا یہ اعلان ہے: ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْن ۔(الروم:30) ''یہی سچا اور صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں''۔

ابتدائے اسلام میں کتنے ہی ایسے لوگ تھے، جو آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے۔جب انھوں نے آپ ﷺ کو قریب سے دیکھا، سمجھا اور پرکھا تو ان کے موقف میں تبدیلی آ گئی۔ بہت سے جانی دشمن آپ ﷺ کے جاں نثار اور فداکار بن گئے۔ثمامہ بن اثال آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے آئے تھے، جو گرفتار کر لیے گئے۔آپ ﷺ نے معاف کر کے انھیں آزاد کر دیا۔وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ ﷺ کے بارے میں انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! روئے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ قابلِ نفرت نہ تھا، لیکن اب آپ ﷺ کا چہرہ میرے نزدیک دوسرے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے''۔(تجلیات نبوت:176)

کتنے ہی لوگ ایسے تھے جو آپ ﷺ کے رشتہ دار تھے اور آپ ﷺ کو قریب سے دیکھ چکے تھے مگر آپ ﷺ کے بارے میں رائے قائم کرنے میں ان سے چوک ہو گئی تھی۔ ہندہ بنت عتبہؓ اپنے شوہر ابوسفیانؓ کے ساتھ پوری زندگی آپ ﷺ کو اور دینِ اسلام کو مٹانے کے لیے مصروفِ عمل رہیں، مگر فتحِ

مکہ کے دن جب آپ ﷺ کی اصل حقیقت کو جاننے اور پہچاننے کا موقع ملا تو انھوں نے اسلام قبول کرلیا اور یہ تاریخی جملہ کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! روے زمین پر کوئی خیمہ ایسا نہ تھا کہ جس کا ذلیل ہونا مجھے آپ ﷺ کے خیمے والوں سے بڑھ کر پسند رہا ہو اور اب روے زمین پر کوئی خیمہ ایسا نہیں ہے کہ اس کا عزیز ہونا مجھے آپ ﷺ کے خیمے والوں سے بڑھ کر پسند ہو'۔(تجلیاتِ نبوت: 225)

دورِ حاضر میں غیر مسلموں کی بڑی تعداد محض آپ ﷺ کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کی مخالف ہے۔ اگر وہ آپ ﷺ کی حقیقت سے واقف ہو جائیں تو ان کی تاریک زندگیاں بھی توحید کے نور سے جگمگانے لگیں گی، ان شاء اللہ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انھیں آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت اور پیغام سے متعارف کرایا جائے۔ موجودہ صورت حال امت مسلمہ کو دعوتِ فکر و عمل دے رہی ہے کہ اس موقع کو غنیمت جان کر آپ ﷺ کی سیرت کو عام کریں۔

گستاخانِ رسول کا عبرت ناک انجام: شانِ رسول ﷺ میں ادنیٰ سی گستاخی بھی سنگین جرم ہے۔ جو آپ ﷺ کی حقیقت کو جاننے کے باوجود آپ ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ ان کے اس عمل سے غافل ہے، بلکہ وہ خود ان سے انتقام لے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَہۡزِءِیۡنَ .(الحجر:95) ''ہم مذاق اڑانے والوں سے نمٹنے کے لیے آپ کی طرف سے کافی ہیں''۔

وہ اپنے اس فعلِ بد کی سزا دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں پائیں گے، جیسا کہ فرمایا گیا: اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا . (الأحزاب: 57) ''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیج دیتا ہے، اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

ایسے لوگوں کے لیے سخت سزا کی وعید سنائی گئی: وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَاب'' اَلِیۡم ''۔ (التوبۃ: 61) ''اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے بھی آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی، انھوں نے اپنا برا انجام اس دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والوں میں آپ ﷺ کا چچا ابولہب سرِ فہرست تھا۔ اس کی موت کو اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کے لیے قابلِ عبرت بنایا۔ جنگِ بدر کے چند روز بعد یہ عدسہ نامی بیماری میں مبتلا ہوا، جس میں طاعون کی طرح ایک گلٹی سی نکلتی ہے۔ اسی میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی لاش تین دن تک اس کے گھر میں پڑی سڑتی رہی مگر کوئی اس کو ٹھکانے لگانے والا نہ تھا، بالآخر اس کے لڑکوں نے بیماری پھیلنے اور عار کے خوف سے اس کے جسم پر دور ہی سے پتھر اور مٹی ڈال کر اسے دفنا دیا''۔ (البدایۃ والنھایۃ: 3/309)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ بنو نجار کا ایک شخص جس کو سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران یاد تھیں، وہ آپ ﷺ کے لیے وحی کی کتابت بھی کیا کرتا تھا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس سے بھاگ نکلا اور یہودیوں سے جاملا۔ جب انھیں اس کی اس حقیقت کا علم ہوا تو بہت خوش ہوے اور اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ اللہ نے اسے ہلاک کر دیا۔ ان یہودیوں نے ایک گڑھا کھود کر اسے دفن کر دیا۔ صبح ہوی تو لوگوں نے دیکھا کہ اس کی لاش باہر پڑی ہوی ہے۔ انھوں نے دوبارہ اسے دفن کیا۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ آخر کار تنگ آ کر انھوں نے اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا۔ (مسلم: باب صفات المنافقین وأحکامھم: 7217)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول ﷺ کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تعویذ کی شرعی حیثیت

انسان کی زندگی ہرلحہ مصائب ومشکلات میں گھری رہتی ہے۔کئی طرح کے متوقع اورغیرمتوقع خطرات وقفے وقفے سے انسان کو بے چین کیے رہتے ہیں۔کبھی مال ودولت کی تباہی کا خطرہ لگا رہتا ہے تو کبھی تجارت اور کاروبار میں نقصان کا خطرہ،کبھی خود کی اور کبھی آل اولاد کی صحت کو متاثر کرنے والی بیماریوں کا اندیشہ تو کبھی ناگہانی آفتوں کا خطرہ۔یہ سارے اندیشے اور خطرے انسان کے چین وسکون کو تباہ کیے ہوے ہیں۔ان مصائب اور مشکلات سے بچنے کے لیے انسان مختلف تدابیر اختیار کرتا ہے۔کچھ نادان ایسے بھی ہیں جو جائز وناجائز کی پروا کیے بغیر ہر اس طریقے کو اپناتے ہیں جس سے خطرات سے بچا جاسکے، بلکہ اکثر لوگ ان خطرات سے بچنے کے لیے ناجائز طریقوں کا ہی سہارا لیتے ہیں۔ان ناجائز طریقوں میں سے ایک طریقہ تعویذ گنڈا کا استعمال بھی ہے۔بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تعویذ گنڈا لٹکانے سے ہمارے سارے مسائل حل ہوجائیں گے، مشکلات دور ہوجائیں گی، بیماریوں اور بلاؤں سے نجات ملے گی، تجارت نقصان سے محفوظ رہے گی۔اس غلط تصور کی وجہ سے تعویذ گنڈوں کا رواج عوام میں عام ہوتا جارہا ہے۔بعض دنیاپرست اور نام نہاد علماء، پیرومرشد اور عامل حضرات اس کو کمائی کا ذریعہ بنا کر عوام کو گم راہ کررہے ہیں۔

تعویذ کی تعریف : شیخ علی بن نایف الشحود لکھتے ہیں: هِيَ كُلُّ مَا عُلِّقَ مِنْ أَجَلِ دَفْعِ شَرٍّ فَتَوَقَّعَ حُصُوْلُهُ مِنْ مَرَضٍ أَوْ عَيْنٍ أَوْ دَفْعِ شَرٍّ وَقَعَ فِعْلاً سَوَاءً كَانَ الْمُعَلَّقُ خَرَزَاتٍ أَوْ أَخْشَاباً أَوْ خُيُوْطاً أَوْ أَوْرَاقاًأَوْغَيْرَذٰلِكَ ۔(موسوعۃ الخطب والدروس) ''بیماری، نظرِ بد یا کسی لاحق شدہ یا متوقع مصیبت سے بچنے کے لیے سیپیوں یا لکڑیوں یا دھاگوں یا کاغذ وغیرہ کی شکل میں جو چیزیں گلے میں لٹکائی یا ہاتھ میں باندھی جاتی ہیں اسے تعویذ کہا جاتا ہے۔

تعویذ کا حکم : ''دورِ جاہلیت میں لوگ اپنے بچوں، مریضوں اور جانوروں کے گلے میں

ایسے تعویذ باندھا کرتے تھے جن پر عموماً شرکیہ وکفریہ کلمات درج ہوتے ۔ اور وہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ تعویذات بذاتِ خود اتنی تاثیر رکھتے ہیں کہ ان کے ذریعے بیماروں کو صحت ملتی ہے اور جسے تعویذ باندھا جائے وہ اس کی برکت سے شیطانی اثرات اور نظرِ بد وغیرہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسلام نے اسے حرام قرار دیا اور اس سے بچنے کی تاکید کی۔

تعویذکے نقصانات :1 ۔تعویذ گنڈوں کو نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ اس سے نہ کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی نقصان اس سے دور ہو سکتا ہے ۔ کیوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ چیز مومن کے ایمان کو کمزور کرنے والی ہے، اس لیے ایمان کو برباد کرنے والی ایسی خرابیوں سے احتراز کرنا چاہیے۔

2۔ یہ چیز دنیوی واخروی دونوں جہانوں کی تباہی کا ذریعہ بنتی ہے ۔دنیوی نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کے وہم وگمان، اور بیماری اور پریشانی میں مزید اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ اور اخروی نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس غیر شرعی وسیلہ کو اپنانے کی وجہ سے انسان اخروی کامیابی سے محروم ہو جاتا ہے۔

3۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی عنایتوں سے محروم ہو جاتا ہے: جو شخص تعویذ پر عقیدہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کے سپرد کر دیتا ہے اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔ حضرت عیسی بن حمزہؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عکیم ابومعبد جہنیؓ کی عیادت کے لیے گیا، ان سے کہا: (اس بیماری سے شفایابی کے لیے) آپ کوئی تعویذ باندھ لیتے ؟ آپؓ نے جواب دیا: اس سے تو موت بہتر ہے، کیوں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ اِلَيْهِ ۔ ''جو شخص اپنے گلے یا بازو میں کوئی تعویذ یا دھاگا لٹکاتا ہے تو اس کی ذمہ داری اسی تعویذ اور دھاگے کے سپرد کر دی جاتی ہے'' ۔ (ترمذی: باب کراهية التعليق :2214) اس کے برعکس جو شخص اپنا تعلق اللہ سے مضبوط کرے اور اسی پر بھروسا رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام ضروریات کو خود پورا کرنے کا ذمہ لے لیتا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔(الطلاق:3) ''جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے گا

،اللہ اس کے لیے کافی ہوجائے گا‘‘۔

4۔تعویذ گنڈوں کے استعمال سے آدمی کے توکل میں بھی کمی واقع ہوتی جاتی ہے۔ تعویذ لٹکانے والا تعویذ پر اتنا اعتماد کرلیتا ہے،جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ اس کے توکل کی کیفیت میں کمی آتی جاتی ہے، یہاں تک کہ کسی وقت اگر تعویذ پاس نہ ہو یا گم ہوجائے تو وہ اتنا گھبرا جاتا ہے کہ کوئی اہم کام کرنے کی ہمت نہیں کرتا بلکہ ڈر اور وحشت سے بیمار ہوجاتا ہے اور جب تعویذ مل جائے تو پھر اپنے آپ کو تندرست سمجھنے لگتا ہے۔یہ سب نفسیاتی اثرات ہوتے ہیں مگر ایسے لوگ انھیں نفسیاتی اثر سمجھنے کی بجائے تعویذ کا اثر سمجھتے ہیں۔یہ چیز آگے چل کر ایمان کی تباہی اور شرک میں ملوث ہونے کا ذریعہ بنتی ہے ۔اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے تعویذ لٹکانے کو شرکِ اصغر قرار دیا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ۔ (السلسلۃ الصحیحۃ:492)’’جس نے تعویذ لٹکائی،اس نے شرک کیا‘‘۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی بیمار ہوگئیں ۔حضرت عبداللہ نے دیکھا کہ ان کے گلے میں ایک دھاگا لٹک رہا ہے۔آپؓ نے اس کو کاٹ کر پھینک دیا اور کہا:أَنْتُمْ آلَ عَبْدِاللّٰهِ لَأَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ۔تم عبداللہ کے خاندان والوں کو شرک سے دور رہنا چاہیے۔پھر فرمایا: میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوے سنا ہے:اِنَّ الرُّقىٰ وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ ۔’’جھاڑ پھونک،تعویذ اور عشقیہ عملیات شرک ہیں‘‘۔(ابن ماجہ: کتاب الطب:باب تعلیق التمائم:3660)

حضرت حذیفہؓ ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے ۔اس کے بازو کو چھوا تو معلوم ہوا کہ اس پر کوئی دھاگا بندھا ہوا ہے۔پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ مریض نے کہا: فلاں نے مجھے یہ دھاگا دم کرکے دیا ہے۔حضرت حذیفہؓ نے اسے کاٹ دیا اور فرمایا:لَوْمِتَّ وَهُوَ عَلَيْكَ مَا صَلَّيْتُ عَلَيْكَ ۔’’اگر تم اسے پہنے ہوے فوت ہوجاتے تو میں تمھاری نمازِ جنازہ نہیں پڑھتا‘‘۔(مصنف ابن ابی شیبہ:باب فی تعلیق التمائم والرقی)

’’صحابیِ رسول کا اس دھاگے کو کاٹنا یا اتار پھینکنا اس عمل سے شدید نفرت کی دلیل ہے۔

اگر چہ اس شخص نے اس دھاگے کو شفا کا ایک سبب قرار دیا تھا،لیکن اسباب تو وہی جائز ہیں جن کا جواز اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ثابت ہو،اور اس کے ساتھ ساتھ ان اسباب پر اعتماد نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے حصولِ شفا کا عقیدہ ہو۔حالانکہ اس دھاگے پر ''رقیہ''یعنی صحیح دم کیا گیا تھا مگر صحابیٔ رسول نے اسے اتار دیا تو وہ چیزیں جو بذاتِ خود شرکیہ ہیں ،جیسے تمائم ، منکے اور طلاسم وغیرہ تو ان کا استعمال کس قدر خطرناک ہوگا؟۔(تیسیر العزیز الحمید:162،161)

احادیث میں تعویذ گنڈوں کو جو شرک کہا گیا ہے،شارحینِ حدیث نے اس سے مراد ''شرکِ اصغر'' بتایا ہے،مگر بسا اوقات یہ چیز شرکِ اکبر کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔اگر تعویذ لٹکانے والا یہ عقیدہ رکھے کہ تعویذ کے اندر بیماری کو دور کرنے کی تاثیر پائی جاتی ہے تو یہ شرکِ اکبر ہے،اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے تعویذ لٹکانے سے سختی سے منع فرمایا اور مختلف طریقوں سے اس کی مذمت بیان فرمائی۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ فرماتے ہیں کہ دس آدمیوں پر مشتمل ایک وفد اسلام قبول کرنے کی غرض سے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ ﷺ نے ان میں سے نو آدمیوں سے بیعت لی اور ایک آدمی سے بیعت نہیں لی۔لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا بات ہے کہ آپؐ نے نو آدمیوں سے بیعت لی اور ایک آدمی سے بیعت نہیں لی۔آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّ فِیْ عَضُدِهٖ تَمِیْمَةً۔ ''اس نے اپنے بازو میں تعویذ باندھ رکھا ہے''۔جب اس نے یہ بات سنی تو فوراً کاٹ کر پھینک دی۔ تب آپ ﷺ نے اس سے بیعت لی۔(صحیح الترغیب والترھیب:3455)اس حدیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تعویذ پہننا کتنا بڑا گناہ ہے۔

حضرت رویفعؓ کو نصیحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:یَا رُوَیْفَعُ :لَعَلَّ الْحَیَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِیْ فَأَخْبِرِالنَّاسَ اَنَّهٗ مَنْ عَقَدَ لِحُیَتَهٗ أَوْتَقَلَّدَ وَتَرًا أَوِاسْتَنْجیٰ بِرَجِیْعِ دَابَّةٍ أَوْعَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا بَرِیْءٌ مِنْهُ ''اے رویفعؓ!شاید کہ تم لمبی عمر پاؤ،میرے بعد لوگوں تک یہ پیغام پہنچادو کہ جس نے اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگائی یا تانت وغیرہ کا ہار اپنے گلے میں ڈال لیا یا کسی جانور کے پلید سے یا ہڈی سے استنجا کیا تو محمد ﷺ اس کے اس عمل سے بری ہیں''۔(ابوداوٗد: باب ماینھی عنه أن یستنجی به:36)

عرب کے لوگ انسانوں کی طرح جانوروں کو بھی تعویذ پہناتے تھے ۔آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا: حضرت ابوبشیر انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔آپ ﷺ نے ایک منادی کو یہ اعلان کرنے کے کاحکم دیا:أَنْ لَّا يُبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قَلَادَةٌ مِّنْ وَتَرٍ اِلَّاقُطِعَتْ ۔(مسلم: باب كراهة قلادة الوترفی رقبة: **5671**)''کسی اونٹ کی گردن میں اگر تانت کا ہار لٹکایا گیا ہوتو اس کو کاٹ دیا جائے''۔

قرآنی تعویذلٹکانے کاحکم : قرآنی تعویذ لٹکانے کے متعلق صحیح بات یہ ہے کہ یہ چندوجوہ کے باعث ناجائز ہے۔صحابہ کرامؓ اورتابعین عظامؒ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔چناں چہ امام ابراہیم نخعیؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے استاد ہیں،فرماتے ہیں: كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ التَّمَائِمَ كُلَّهَا مِنَ الْقُرْآنِ وَغَيْرِالْقُرْآنِ ۔''صحابہ کرامؓ تمام تعویذوں کو ناپسند کرتے تھے،خواہ قرآنی آیات سے ہوں یا کسی اور چیز سے ہوں''۔(تیسیر العزیز الحمید: **174**)

اسلام نے جہاں ناجائز اورحرام طریقوں کی نشان دہی کی ہے،وہیں جائزاورحلال طریقوں کی طرف رہ نمائی بھی کی ہے۔ ہرمشکل کا حقیقی حل اور ہر بیماری کا صحیح علاج اسلام میں موجود ہے۔کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا حل اسلام میں نہ ہو۔حضرت ابوذرغفاریؓ فرماتے ہیں: تَرَكَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا طَائِرٌ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاعِنْدَنَا مِنْهُ عِلْمٌ ۔(صحیح ابن حبان: باب الزجرعن كتبة المرء السنن مخافة أن يتكل عليهادون الحفظ لها)''اللہ کے رسول ﷺ اس حالت میں ہم سے رخصت ہوے کہ آسمان میں اڑنے والے پرندے میں بھی اگر کوئی علم تھا،تو آپ ﷺ نے اس سے ہمیں واقف کرایا''۔کوئی بیماری ایسی نہیں ہے جس کا علاج اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نہ بتایا ہو۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً اِلَّا قَدْ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً،عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ ۔(السلسلۃ الصحیحۃ: **451**)''اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری اتاری ہے،اس کی شفا بھی اتاری ہے ،جو جان لیتا ہے سو جان لیتا ہے اور جو ناواقف رہتا ہے سو ناواقف رہتا ہے''۔

مومن اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنے مسائل اورمشکلات اللہ کے بتائے ہوے طریقے

کے مطابق حل کرے اور اور بیماریوں کا علاج جائز اور حلال طریقوں سے کرے۔علاج اور مسائل کے حل کے جو ناجائز طریقے ہیں،ان سے وقتی طور پر کبھی فائدہ بھی ہوسکتا ہے مگر اسلام ان کی اجازت نہیں دیتا۔مثلا یہی تعویذ کا معاملہ ہے۔بہت سے لوگ اپنے مسائل کے حل کے لیے یا بیماریوں سے شفایابی کے لیے کسی عامل یا پیر کے پاس جا کر تعویذ حاصل کر لیتے ہیں،اس سے انھیں کبھی فائدہ بھی محسوس ہوتا ہے،اسی کو وہ اس کے جواز کے لیے دلیل بھی بناتے ہیں،مگر شریعت نے جس کو ناجائز قرار دیا ہو اس میں بظاہر فائدہ بھی نظر آئے،اس کا استعمال کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ میری آنکھ میں چبھن محسوس ہوتی تھی،چناں چہ میں ایک یہودی کے ہاں دم کرانے کے لیے جایا کرتی تھی،اس کے دم کرنے سے مجھے سکون سا ہوجاتا تھا۔ان کے شوہر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو جب اس کی اطلاع ہوی تو انھوں نے اس طریقۂ علاج کو ناجائز قرار دیتے ہوے روک دیا اور فرمایا:إِنَّمَا ذَاكِ الشَّيْطَانُ إِذَا أَطَعْتِهِ تَرَكَكِ وَإِذَا عَصَيْتِهِ طَعَنَ بِإِصْبَعِهِ فِيْ عَيْنِكِ وَلٰكِنْ لَوْفَعَلْتِ كَمَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَانَ خَيْرًا لَكِ وَأَجْدَرَ أَنْ تَشْفِيْنَ تَنْضَحِيْنَ فِيْ عَيْنِكِ الْمَاءَ وَتَقُوْلِيْنَ :أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَاشِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُ كَ شِفَاءً لَايُغَادِرُسَقَمًا۔''یہ شیطان کی کارستانی ہے،جب تم اس کے طریقے کو اپناتی ہو تو وہ تمھیں چھوڑ دیتا ہے،اور جب تم اس کی نافرمانی کرتی ہو تو وہ تمھاری آنکھ میں اپنی انگلی چبھوتا ہے۔اگر تم وہی عمل کرو جو اللہ کے رسول ﷺ کیا کرتے ہیں تو یہ تمھارے حق میں بہتر بھی ہوگا اور تمھاری شفایابی کے لیے مناسب بھی۔تم اپنی آنکھ پر پانی کے چھینٹے دو اور یہ دعا پڑھو:أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَاشِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُ كَ شِفَاءً لَايُغَادِرُسَقَمًا۔''اے لوگوں کے پروردگار!تکلیف کو دور فرمادے،اور تیری شفاہی اصل شفا ہے،شفا عطا فرما،کیوں کہ تو ہی شفا دینے والا ہے،ایسی شفا عطا فرما کہ جس کے بعد کسی قسم کی تکلیف باقی نہ رہے''۔(ابن ماجہ:کتاب الطب:باب تعليق التمائم:3660)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناجائز اور حرام طریقوں سے بھی شفا حاصل ہوسکتی ہے،مگر ایک

مومن کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے کیوں کہ یہ انسان کو گم راہ کرنے کا ایک شیطانی حربہ ہے۔اسی راستے سے شیطان انسانوں کو اکثر گم راہ کرتا ہے، اس لیے اہلِ ایمان کو چاہیے کہ اس شیطانی فریب سے بچیں۔

اس حدیث میں علاج کا ایک صحیح طریقہ بھی بتایا گیا، وہ یہ کہ آپ ﷺ سے جو دعائیں ثابت ہیں، ان کو پڑھ کر دم کرنے سے بیماری دور ہوسکتی ہے۔

رقیہ شرعیہ (دم کرنا): نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے کسی کو تعویذ لکھ کر یا لکھوا کر دی ہو۔ البتہ آپ ﷺ سے دم کرنا اور کرانا ثابت ہے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ جب سے وہ اسلام لائے ہیں، ان کے جسم میں درد سا رہتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اپنے ہاتھ کو جسم کے اس حصہ پر رکھو جہاں درد محسوس کرتے ہو، اس کے بعد تین مرتبہ "بِسۡمِ اللّٰهِ" کہو، پھر سات مرتبہ یہ دعا پڑھو: أَعُوۡذُ بِاللّٰهِ وَقُدۡرَتِهِ مِنۡ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔ (مسلم: باب استحباب وضع یده علی موضع الألم مع الدعاء: 5867) ''میں اللہ کی ذات اور اس کی قدرت کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز سے جسے میں محسوس کرتا ہوں اور جس سے میں خوف کرتا ہوں''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ہم میں کسی کو کوئی بیماری لاحق ہوتی تو آپ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے اور یہ دعا پڑھ کر دم کرتے: أَذۡهِبِ الۡبَأۡسَ رَبَّ النَّاسِ وَ اشۡفِ أَنۡتَ الشَّافِي لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَايُغَادِرُ سَقَمًا۔ (مسلم: باب استحباب رقية المريض: 5836)

آپ ﷺ اپنے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو روزانہ ان الفاظ کے ساتھ دم کیا کرتے تھے: أُعِيۡذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنۡ كُلِّ شَيۡطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنۡ كُلِّ عَيۡنٍ لَّامَّةٍ۔ (ابن ماجہ: كتاب الطب: باب ماعوذ به النبي: 3654) ''اللہ کے کامل کلمات کے ذریعے میں تمھیں، ہر شیطان کی برائی، ہر ہلاک کر دینے والے زہریلے جانور اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے (اللہ کی) پناہ میں دیتا ہوں''۔

خود اللہ کے رسول ﷺ ایک مرتبہ بیمار ہوگئے۔ حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوے اور آپ ﷺ کو ان الفاظ میں دم کیا: بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ حَسَدِ حَاسِدٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ اَللّٰهُ يَشْفِيكَ ۔(ابن ماجہ: كتاب الطب :باب مايعوذ به من الحمیٰ :3657) ''میں اللہ کا نام لے کر آپ پر دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف پہنچائے، حاسدین کے حسد سے اور ہر نظرِ بد سے، اللہ آپ کو شفا عطا فرمائے''

بعض دین دار لوگ جب جائز طریقوں سے علاج کرتے ہوے شفایاب نہیں ہوتے تو مجبوراً ناجائز اور حرام طریقوں کا سہارا لیتے ہیں، حالانکہ ایسے ہی موقعوں پر ایمان کی اصل آزمائش ہوتی ہے۔ جائز طریقوں سے علاج کے باوجود شفایابی نہ ہو تو صبر سے کام لینا چاہیے اور اسے اللہ کا فیصلہ سمجھ کر اس پر راضی ہونا چاہیے، یہی تقدیر پر ایمان کا تقاضا بھی ہے۔

احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں تعویذ کا رواج عام تھا۔ اس کے کچھ اثرات قبولِ اسلام کے بعد بھی بعض اہلِ عرب میں باقی تھے، جنھیں صحابہ کرامؓ نے سختی کے ساتھ ختم کیا۔ اس معاملے میں ہندوستان کا حال بھی عرب جاہلیت سے ملتا جلتا ہے۔ چوں کہ ہندوؤں میں یہ چیز عام ہے، اس لیے اس کے اثرات یہاں کے مسلمانوں میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس معاملے میں نرم گوشہ اختیار کیا ہے۔ مذکورہ احادیث کی روشنی میں ان کا موقف صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ کوئی تعلیم یافتہ، مہذب اور سنجیدہ آدمی تعویذ لٹکائے رکھنا پسند نہیں کرتا۔ خود ان کے گلے میں بھی تعویذ نظر نہیں آتی جو اس کا جواز ڈھونڈتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں محرمات سے اجتناب کرتے ہوے اسلامی شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خواب کی شرعی حیثیت

خواب انسانی زندگی کا ایک حصہ ہے۔روزمرہ زندگی میں ہرانسان کوخوابوں سے واسطہ پڑتا ہے۔انسان اچھے خواب بھی دیکھتا ہے اور برے خواب بھی،خوش کن بھی اورخوف ناک بھی، بعض خواب پسندیدہ بھی ہوتے ہیں اوربعض ناپسندیدہ بھی۔اچھے خواب دیکھ کرانسان خوش ہوجاتا ہے اور برے خواب دیکھ کر پریشان بھی ہوجاتا ہے۔بہت سے لوگ کم علمی اور غلط رہ نمائی کی وجہ سے خواب کواس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ اسے اپنے حق میں حکم الٰہی سمجھ بیٹھتے ہیں،اوراس کے ایک ایک جز پرعمل ضروری سمجھ لیتے ہیں۔خواب کی بنیاد پر لوگوں سے دوستی اور دشمنی قائم کرلیتے ہیں،اوراسی کی بنیاد پرلوگوں سے معاملات کرنے لگتے ہیں۔

اسلام ایک مکمل دین ہے،زندگی کے ہرشعبے میں اس نے انسان کی رہ نمائی کی ہے،خواب کے سلسلے میں بھی اس نے انسان کی مکمل رہ نمائی کی ہے۔اسی سلسلے کی چند باتیں آنے والی سطروں میں پیش کی جارہی ہیں:

خواب کی قسمیں : احادیث میں طرح طرح کے خوابوں کا ذکر ملتا ہے۔ آپ ﷺ کاارشاد ہے:اَلـرُّؤْيَـا ثَلَاثٌ ،حَـدِيْـثُ الـنَّـفْـسِ وَتَـخْوِيْفُ الشَّيَـاطِيْنِ وَبُشْـرىٰ مِنَ اللّٰـهِ ۔(بخاری: کتـاب التـعبيـر:بـاب الـقيـد فـی المنـام: **7017**)''خواب کی تین قسمیں ہیں۔**1**۔نفسیاتی خواب (کہ آدمی دن میں جودیکھتااورسوچتا ہے ویسے ہی اس کورات میں خواب کی شکل میں نظرآتا ہے)**2**۔خوفناک اورڈراؤنے خواب جوشیطان کی جانب سے ہوتے ہیں۔**3**۔اچھے خواب جواللہ کی جانب سے ہوتے ہیں''۔

اچھے اوربرے خواب کے سلسلے میں اسلامی ہدایات : اسلام نے

اچھے اور برے خواب کے سلسلے میں تفصیلی احکام دیے ہیں۔ اگر اچھا خواب دکھائی دے تو اس سلسلے میں کچھ ہدایات دی گئی ہیں:

1۔ مومن کو چاہیے کہ اچھے خواب کو اپنے حق میں اللہ کی جانب سے بشارت اور خوش خبری سمجھے۔ جیسا کہ اوپر روایت گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بُشْـرىٰ مِنَ اللّٰهِ۔ کہ یہ خواب اللہ کی جانب سے ایک طرح کی خوش خبری ہے۔ ایک اور روایت میں ہے: فَاِنْ رَأَى رُؤْيَا حَسَنَةً فَلْيُبْشِرْ (مسلم: باب قول النبی ﷺ الرئویامن الله والحلم من الشیطان: 6039) ''اگر کوئی اچھا خواب دیکھے تو خوش ہو جائے''۔

2۔ اس پر اللہ کا شکر بجالائے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں ہے: اِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رَؤْيَا يُحِبُّهَا فَاِنَّمَا هِيَ مِنَ اللّٰهِ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ عَلَيْهَا ۔(بخاری: باب الرؤیا من اللہ :6985) ''جب کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے، اس پر اللہ کا شکر بجالائے''۔

3۔ اس خواب کا تذکرہ ہر کسی سے نہ کرے، بلکہ صرف انہی سے کرے جو قریبی رشتے دار یا خیر خواہ دوست ہوں، جیسا کہ فرمایا گیا: وَلَا يُخْبِرُ اِلَّامَنْ يُحِبُّ ۔(مسلم: باب قول النبی ﷺ الرئویامن الله والحلم من الشیطان: 6039) ''صرف اسی سے بیان کرے جو اس کا بہی خواہ ہو''۔

اچھے خواب کا تذکرہ اگر ایسے شخص سے کیا جائے جو خیر خواہ نہیں ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ اسے سن کر حسد میں مبتلا ہو جائے یا دشمنی کرنے لگے، جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے ساتھ ہوا۔ انھوں نے ایک اچھا خواب دیکھا، اس کا تذکرہ اپنے باپ سے کیا کہ'' ابا جان! میں نے خواب میں دیکھا ہے گیارہ ستارے، سورج اور چاند ہیں اور وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں''۔(یوسف:4)

اس خواب میں حضرت یوسفؑ کے لیے بشارت تھی۔ باپ نے فوراً کہا : يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا. (یوسف:5) ''بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ

وہ تیرے درپے آزار ہوجائیں گے''۔

برے خواب کے شر سے بچنے کے لیے احادیث میں درج ذیل ہدایات دی گئی ہیں:

(2/1) جب کسی کو براخواب دکھائی دے تو سب سے پہلے اسے چاہیے کہ شیطان کے شر سے اور خواب کی برائی سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور تین مرتبہ اپنے بائیں جانب دھتکارے۔ حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اِذَا حَلُمَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَعَوَّذْ مِنْهُ وَلْيَبْصُقْ عَنْ شِمَالِهِ فَإِنَّهَا لَاتَضُرُّهُ۔ (بخاری: باب الرئویاالصالحة :6986) ''جب تم میں سے کوئی براخواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور اپنے بائیں جانب تھوتھو کرے، خواب اسے نقصان نہیں پہنچائے گا''۔

حضرت ابوسلمہؓ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات میں ایسے خوفناک خواب دیکھتا کہ بیمار ہوجاتا۔ ایک دن میری ملاقات حضرت ابوقتادہؓ سے ہوی۔ میں نے ان سے اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا تو انھوں نے مجھے یہ حدیث سنائی: اچھے خواب اللہ کی جانب سے ہوا کرتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے۔ جب کسی کو ناپسندیدہ خواب دکھائی دے تو اسے چاہیے کہ اپنے بائیں جانب تین مرتبہ تھوتھو کرے اور اللہ سے پناہ طلب کرے، وہ خواب کے شر سے محفوظ رہے گا''۔ (مسلم: باب قول النبی ﷺ الرئویامن الله والحلم من الشیطان:6037)

حضرت ابوسلمہؓ ہی کا بیان ہے: اِنْ كُنْتُ لَأَرَى الرُّؤْيَا أَثْقَلَ عَلَيَّ مِنْ جَبَلٍ فَمَا هُوَ اِلَّا أَنْ سَمِعْتُ بِهَذَاالْحَدِيْثِ فَمَا أُبَالِيْهَا ۔ (مسلم: کتاب الرؤیا) ''بسا اوقات میں ایسے خواب دیکھتا جو مجھ پر پہاڑ سے زیادہ گراں گزرتے، مگر جب میں نے آپ ﷺ کا یہ فرمان سنا تو ان خوابوں کی کوئی پروانہیں رہی''۔

(3) پہلو بدل لے: حضرت ابوسلمہؓ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ۔ (مسلم: باب قول النبی ﷺ الرئویامن الله والحلم من الشیطان:6038) ''براخواب دیکھنے والے کو چاہیے کہ پہلو بدل لے''۔

(4) اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کرے: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا........''اور جب کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو سمجھ جائے کہ یہ شیطان کی جانب سے ہے، اس کے شر سے پناہ طلب کرے اور اس (برے) خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کرے، یہ اسے کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا''۔(بخاری:باب الرؤیا من اللہ:6985)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر جسم سے جدا کر دیا گیا ہے اور میں اس کے پیچھے پیچھے دوڑے جارہا ہوں۔آپ ﷺ نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا: لَا تُخبِرُ بِتَلَعُّبِ الشَّيُطَانِ بِكَ فِي الُمَنَامِ ۔(مسلم:باب لا یخبر بتلعب الشیطان بہ فی المنام :6062)''خواب میں شیطان تمھارے ساتھ جو خوفناک حرکتیں کرے، اسے دوسروں کے سامنے بیان مت کرو''۔

(5) ممکن ہو تو وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لینا چاہیے۔حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:.....فَمَنُ رَأَى شَيْئًا يَكُرَهُهُ فَلَا يَقُصَّهُ عَلىٰ أَحَدٍ وَلْيَقُمُ فَلْيُصَلِّ۔(بخاری: کتاب التعبیر، باب القیدفی المنام :7017)''جو شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ دوسروں سے اس کا تذکرہ نہ کرے، بستر سے اٹھ جائے اور نماز پڑھ لے''۔

(٦) آیت الکرسی اور دیگر مسنون وظائف پڑھ لے، کیوں کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ شیطان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

(٧) اگر خواب کی تعبیر سمجھ میں نہ آئے تو ایسے لوگوں سے اس کی تعبیر پوچھے جو خواب کی تعبیر بیان کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔خواب کی تعبیر ایک ایسا علم ہے جو اللہ تعالیٰ ہر کسی کو عطا نہیں کرتا۔قرآن مجید نے حضرت یوسفؑ پر کیے گئے انعامات کے ضمن میں خواب کی تعبیر کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ فرمایا گیا: وَكَذٰلِكَ يَجُتَبِيُكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنُ تَأُوِيُلِ الُاحَادِيُثِ ۔(یوسف:6)''اور اسی طرح تمھارا رب تم کو منتخب کرے گا اور تمھیں خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا''۔

ایک شخص نے آپ ﷺ سے اپنے ایک خواب کا تذکرہ کیا۔حضرت ابوبکرؓ بھی مجلس میں موجود

تھے۔ انھوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس خواب کی تعبیر بیان کروں۔ آپ ﷺ نے انھیں اجازت دی۔ ابوبکر صدیقؓ نے تعبیر بیان کی۔ پھر آپ ﷺ سے دریافت کیا: أَصَبْتُ أَمْ أَخْطَأْتُ ۔"میں نے اس خواب کی صحیح تعبیر بیان کی، یا اس کی تعبیر بتانے میں غلطی کی؟ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: أَصَبْتَ بَعْضًا وَأَخْطَأْتَ بَعْضًا ۔"تمھاری تعبیر کا کچھ حصہ درست ہے اور کچھ صحیح نہیں ہے"۔(مسلم: باب فی تأویل الرؤیا: 6066)

حضرت ابوبکر صدیقؓ انبیاء کے بعد اس امت میں سب سے افضل ہیں، ان کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب کی تعبیر کا علم اللہ کا خصوصی عطیہ ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا کرتا ہے۔

بعض کم علم خواب کی ایسی تعبیر بیان کر دیتے ہیں کہ انسان کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن سیرینؒ کے زمانے میں ایک شخص نے خواب دیکھا کہ اس کے سارے دانت جھڑ گئے ہیں۔ اس نے ایک عالم سے تعبیر پوچھی تو اس نے کہا کہ تمھاری اولاد تم سے پہلے انتقال کر جائے گی۔ وہ شخص پریشان ہو کر ابن سیرینؒ کے پاس گیا۔ ابن سیرینؒ نے خواب سن کر کہا کہ اس میں تو تمھارے لیے بشارت ہے کہ تمھاری عمر اس قدر طویل ہوگی کہ تمھاری تمام اولاد اپنی فطری عمر پا کر انتقال کرے گی اور اللہ تمھاری عمر اس قدر دراز کرے گا کہ تم باقی رہو گے۔ (کتاب الرؤیا لابن سیرین)

اس لیے خواب کی تعبیر معلوم کرنے والوں کو چاہیے کہ معتبر اور مستند لوگوں ہی سے خواب کی تعبیر معلوم کریں۔

(8) برے اور خوف ناک خواب سے بچنے کی تدبیر بھی کرنی چاہیے۔ بعض خواب ایسے ہوتے ہیں جن کا شر تعبیر کے بعد واضح ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت میں مومن کو چاہیے کہ اس شر سے بچنے کی تدابیر اختیار کرے ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: عہد نبوی میں میں نوجوان تھا، مسجد نبوی میں رات گزارا کرتا تھا۔ لوگ جو بھی خواب دیکھتے، صبح آپ ﷺ سے اس کا تذکرہ کرتے اور آپ ﷺ ان کی تعبیر بیان فرماتے۔ میرے دل میں بھی خواہش ہوی کہ میں بھی کوئی خواب دیکھوں اور آپ ﷺ سے اس کی

تعبیر معلوم کروں۔ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ دوفرشتے میرے پاس آئے اور گھسیٹتے ہوے جہنم کے دہانے پر لے جا کر مجھے کھڑا کر دیا،اور میرا یہ حال تھا کہ میں بار بار جہنم سے پناہ طلب کرر ہاتھا۔میں نے جہنم کے اندر کچھ ایسے جانے پہچانے لوگوں کو دیکھا جن کو پیروں کے بل لٹکا دیا گیا تھا۔اچانک ایک فرشتے نے مجھے وہاں سے ہٹالیااور کہنے لگا:گھبرانے کی ضرورت نہیں۔اتنے میں میری آنکھ کھل گئی،اور میری زبان پر یہ الفاظ تھے:أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ ۔''جہنم کی آگ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں''۔ مجھے رسول اکرم ﷺ سے اس خواب کا تذکرہ کرنے کی ہمت نہیں ہوی،اس لیے اپنی بہن ام المومنین حفصہؓ سے اس کا تذکرہ کیا کہ وہ آپ ﷺ سے میرا خواب بیان کریں۔انھوں نے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:نِعَمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ ۔''عبداللہ کیا ہی اچھے آدمی ہیں،کاش!وہ قیام اللیل کا اہتمام کرتے''۔(بخاری:باب مناقب عبدالله بن عمربن الخطاب:3738)

گویا رسول اکرم ﷺ نے ابن عمرؓ کو اس خواب کی تعبیر کے ساتھ تدبیر بھی بتائی کہ اگر وہ تہجد کا اہتمام کریں تو جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں گے۔اس حدیث کے راوی سالم بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد عبداللہ بن عمرؓ کا یہ معمول ہوگیا کہ وہ رات کا اکثر حصہ تہجد میں گزار دیتے اور بہت کم سویا کرتے تھے۔(بخاری:باب فضل قيام الليل:1122)

کیا خواب حجتِ شرعی ھے؟ : بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خواب کو نبوت کا چالیسواں حصہ قرار دیا ہے۔(بخاری:كتاب التعبير:باب من رأى النبى ﷺ فى المنام :6994)

امام خطابیؒ فرماتے ہیں:''اس سے مراد نبیوں کے خوابوں کے مطابق خواب دیکھنا ہے''۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اچھا خواب علم نبوت کا ایک جز ہے نہ کہ نبوت کا۔(فتح الباری:10/450)

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں اس دین کو مکمل کر دیا۔اب اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوسکتا۔اگر کسی کو خواب میں کوئی ایسی بات بتائی جائے جو شرعی احکام سے ٹکراتی ہو تو وہ نا قابلِ اعتبار ہوگی۔امام عزالدین بن عبدالسلامؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں نے خواب

میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ فلاں جگہ جاؤ اور وہاں ایک خزانہ دفن ہے، وہ نکال لو اور اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) حکومت/بیت المال کو دینے کی ضرورت نہیں۔ اس آدمی نے کہا کہ میں وہاں گیا اور وہ خزانہ نکال لیا۔ پھر اس نے علماء سے اس مسئلے کے بارے میں فتوی پوچھا تو علماء نے کہا: خمس نکالو، اس لیے کہ اس مال سے خمس نکالنے کا حکم تو نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے (تمھارے خواب کا کوئی اعتبار نہیں)''۔ (انسان اور کالے پیلے علوم: **64**)

آج کل بعض نام نہاد اولیاء اور صوفیاء آئے دن اس طرح کے دعوے کرتے رہتے ہیں کہ خواب میں اللہ کے رسول ﷺ نے آکر کہا کہ میں نے تمھارے لیے نماز معاف کرادی، اب تمھیں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، تم فلاں کام کرو، فلاں کام مت کرو۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی غیر شرعی باتیں خواب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، یہ سب واہیات ہیں۔ اگر یہ خواب صحیح بھی ہوں تو شریعت ان پر مقدم ہے، محض خواب کی وجہ سے شریعت کے کسی حکم کو رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: ''اس شریعت میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد بھی خواب میں آپ ﷺ کا قول و فعل حجت ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس وقت اپنے پاس بلالیا جب آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اس شریعت کو مکمل کردیا اور امت کے لیے شریعت کے حوالے سے کوئی ضرورت باقی نہ رہنے دی''۔ (الموسوعۃ الفقہیہ، بذیل مادہ: الرؤیا، بحوالہ انسان اور کالے پیلے علوم: **63**)

بہر حال! خواب کے سلسلے میں یہ چند احکام تھے۔ ان کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے۔ میڈیکل سائنس کا کہنا ہے کہ انسان کا نظامِ انہضام اگر صحیح نہ ہو اور اسے تبخیر کی شکایت ہو تو ایسے موقع پر ڈراؤنے خواب نظر آنے لگتے ہیں۔ اس لیے خوابوں پر بھروسا کرنے اور ان کی وجہ سے خوف کھانے میں احتیاط کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ✦✦✦

ہنسی مذاق کی شرعی حیثیت

اسلام، ایک ایسا مذہب ہے جس میں انسانی فطرت کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس میں جہاں زہد وتقوی اور خشیت الٰہی اختیار کرنے کی تعلیمات ہیں وہیں دل ودماغ کو فرحت بخشنے، خوش رہنے اور دوسرں کو خوش کرنے کی تعلیمات بھی موجود ہیں۔ انہی میں سے ایک اہم تعلیم ہنسی مذاق کی ہے: رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ أَخِيْكَ صَدَقَةٌ۔ (ترمذی: باب صنائع المعروف: 2083) ''اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا بھی نیکی اور صدقہ ہے''۔

دنیا میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے انسانوں میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے، دل کو فرحت اور روح کو تازگی ملتی ہے، اور کام کو اچھے انداز میں انجام دینے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ ہنسی مذاق دراصل بیزارگی کو دور کرنے، دنیوی مصروفیات سے راحت حاصل کرنے، نفس کو سکون پہنچانے، ذہن کو تازگی بخشنے، تھکان کو دور کرنے، نیز پریشانی، غصہ، غم اور خوف کو کم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح دوست احباب کو خوش رکھنے، الفت ومحبت بڑھانے، تعلقات کو استوار کرنے اور وحشت کو مٹانے کا بھی ذریعہ ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو دل پژمردہ، ذہن بوجھل اور زندگی بے مزہ ہو کر رہ جائے گی۔

رسول اکرم ﷺ اور شگفتہ مزاجی : رسول اکرم ﷺ بڑے ہی خوش مزاج تھے۔ حضرت عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِّنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ (ترمذی: باب بشاشة النبی ﷺ: 4002) ''میں نے رسول اکرم ﷺ سے زیادہ کسی کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا''۔

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں: مَاحَجَبَنِيْ النَّبِيُّ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَارَآنِيْ اِلَّا تَبَسَّمَ فِيْ وَجْهِيْ (بخاری: باب التبسم والضحك: 6089) ''اسلام لانے کے بعد سے آپ ﷺ نے مجھے اپنے پاس آنے سے کبھی نہیں روکا۔ اور جب بھی مجھ پر نظر پڑتی آپؐ مجھے دیکھ کر مسکرا دیتے''۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں یہ باب باندھا ہے: اَلْاِنْبِسَاطُ اِلَی النَّاسِ ۔یعنی ''لوگوں کے ساتھ خوش طبعی سے ملنا''۔اس کے تحت حضرت انسؓ کی حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں: ''رسول اکرم ﷺ ہم بچوں سے بھی دل لگی کیا کرتے تھے۔میرا ایک چھوٹا بھائی تھا،اس سے فرمایا کرتے تھے: ''اے ابوعمیر! تمھارے بلبل کی خیر تو ہے؟''۔(ابن ماجہ: کتاب الأدب:باب المزاح (3852:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا،اوراس نے کہا کہ مجھے سواری کے لیے ایک اونٹنی کا انتظام کردیجیے۔آپؐ نے فرمایا: میں تمھیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دے سکتا ہوں۔اس نے کہا: میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں؟ آپؐ نے جواب دیا: ہر اونٹنی کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتی ہے''۔(ابوداؤد:باب ماجاء فی المزاح:5000)

بعض دفعہ نبی ﷺ صبح سویرے اپنے ساتھیوں کی دلچسپ گفتگو سے محظوظ ہوتے۔جیسا کہ حضرت سماک بن حربؓ سے مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تمھیں رسول اکرم ﷺ کی مجلسوں میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، میں آپ کی مجلسوں میں کثرت سے شریک ہوا کرتا تھا۔آپ نماز فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک اپنے مصلے پر ہی بیٹھے رہتے۔آپؐ کا معمول تھا کہ صحابہ کرامؓ سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے،اس میں جاہلیت کا تذکرہ بھی ہوتا۔صحابہ کرامؓ کسی بات پر ہنستے تو آپؐ بھی مسکرادیتے۔(مسلم:باب فضل الجلوس فی مصلاہ بعد الصبح:1557)

صحابہ کرامؓ اور شگفتہ مزاجی : صحابہ کرامؓ بھی آپس میں ہنسی مذاق کیا کرتے تھے ۔حضرت اسید بن حضیرؓ سے مروی ہے،وہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی جو بڑے ظریف تھے ایک مرتبہ لوگوں کو واقعات سنا کر ہنسا رہے تھے کہ آپ نے لکڑی سے ان کی کمر کو ٹھونکا دیا۔اس پر انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ! آپؐ نے مجھے تکلیف پہنچائی۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تب تو تم بھی بدلہ لے لو؟ انھوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! آپؐ کے جسم پر تو قمیص ہے اور میں بغیر قمیص کے ہوں۔

آپؐ نے اپنی قمیص اٹھائی تو انھوں نے فوراً آپؐ کے پہلو پر بوسہ دیا اور کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ !دراصل میں یہی چاہتا تھا۔(ابوداؤد:باب فی قبلة الجسد:5226)

حضرت نعیمان بن عمروؓ ایک جلیل القدر بدری صحابی ہیں جن کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے، ''الاستیعاب'' میں علامہ ابن عبدالبر نے ان کے متعلق لکھا ہے:وَكَانَ نُعَيْمَانُ مُضْحِكًا مَزَّاحًا۔(الاستیعاب 4/1526) کہ نعیمان بڑے بذلہ سنج اور دلچسپ آدمی تھے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:''مجھے یہ بات پسند ہے کہ آدمی اپنے گھر میں ایک بچے کی مانند (سب سے گھل مل کر) رہے۔البتہ اگر کوئی غیر شرعی کام دیکھے تو وہ ایک مصلح بن کر اس کی اصلاح کرے''۔ (عیون الاخبار لابن قتیبہ:1/226)

حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں:اِنِّیْ أَسْتَجِمُّ بِبَعْضِ الْبَاطِلِ لِيَكُوْنَ أَنْشَطَ لِيْ فِي الْحَقِّ۔''میں ہنسی مذاق کے ذریعہ اپنے دل کو بہلاتا ہوں تاکہ فریضۂ حق کو ادا کرنے کے معاملے میں زیادہ چاق وچوبند رہوں''۔(فتاوی ابن تیمیہ:28/369)

شگفتہ مزاجی میں توازن : رسول اکرم ﷺ کی مجلس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہاں ہر مزاج اور وضع کے لوگ حاضر ہوتے تھے۔اس مجلس میں جہاں حضرت عمرؓ جیسے سنجیدہ مزاج صحابہ تھے وہیں حضرت نعیمانؓ جیسے ظریف الطبع صحابہ بھی تھے،مگر کوئی کسی پر نکیر نہیں کرتا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ ہنسی مذاق اسلام میں فی نفسہ مذموم نہیں ہے، بلکہ اس میں حدود سے تجاوز کر جانا مذموم ہے۔مثلاً سنجیدگی کے موقعوں پر ہنسنا، یا ذرا ذرا سی بات پر قہقہے لگا کر ہنگامہ برپا کرنا وغیرہ ناپسندیدہ باتیں ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کیا اصحاب رسول آپس میں ہنسی مذاق کیا کرتے تھے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں وہ ہنسی مذاق کیا کرتے تھے،اس کے باوجود ان کے دلوں میں ایمان پہاڑ کی طرح مضبوط تھا۔

حضرت بلال بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کی تکریم اور عزت کا لحاظ کرنے کے معاملے میں بڑے سنجیدہ تھے۔اس کے باوجود وہ ہنسی مذاق بھی کر لیا

کرتے تھے۔مگر جب رات کی تاریکی پھیل جاتی تو وہ عبادت گزار اور شب بیدار بن جاتے تھے''۔
(عیون الاخبار لابن قتیبہ: 1 / 326)

ہنسی مذاق میں افراط، ایسے افعال کے ارتکاب کا سبب بنتا ہے جو مقاصد شریعت، انسانی مروت اور شخصی وقار کے منافی ہوتے ہیں۔ جہاں اس کے کچھ فوائد ہیں وہیں اس میں بے اعتدالی کے بہت سے نقصانات بھی ہیں۔

سلف صالحینؒ اور ہنسی مذاق: سلف صالحین نے بھی ہنسی مذاق کو صرف تفریح طبع کی حد تک استعمال کیا ہے۔امام شعبیؒ جو کبار تابعین میں سے ہیں، ان کی اکثر کتابوں میں ایسے دلچسپ واقعات اور باوقار لطیفے ملتے ہیں جن سے پڑھنے والوں کے دلوں کو فرحت ملتی ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ سے پوچھا گیا کہ کیا ہنسی مذاق معیوب عمل ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ نہیں، بلکہ وہ مسنون ہے بشرطیکہ اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔بعض فقہاء نے ہنسی مذاق کو شرافت اور مروت کی علامت قرار دیا ہے، اگر وہ شرعی حدود وضوابط کے اندر ہو اور اس میں موقع اور محل کا لحاظ رکھا گیا ہو۔سلف صالحین ظرافت کو خصوصا سفر میں زیادہ اہمیت دیتے تھے۔حضرت ربیعہ الرائیؒ فرماتے ہیں: شرافت کی چھ خصلتیں ہیں، جن میں سے تین کا تعلق سفر سے ہے۔1۔زادسفر خرچ کرنا ۔2۔ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ۔3۔معصیت اور گناہ سے بچتے ہوئے ہنسی مذاق کرنا۔(شرح السنۃ 13 / 184)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''وہ مذاق شرعاً ممنوع ہے جو حد سے زیادہ ہو، یا وہ جس کو زندگی کا معمول بنالیا جائے، کیوں کہ یہ چیز مردہ دلی، اللہ کی یاد سے غفلت اور دوسروں کو تکلیف دینے کا سبب بنتی ہے، اس سے دلوں میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے اور وقار اور سنجیدگی کا خاتمہ ہوتا ہے اور اگر حدود کے اندر ہو تو وہ مذاق شرعاً جائز ہے اور رسول اکرم ﷺ سے اس قسم کا مذاق ثابت ہے۔(الاذکار للنووی :468)

ہنسی مذاق کے شرعی ضوابط: شریعت نے ہنسی مذاق کے کچھ حدود متعین کیے ہیں۔

ان کا پاس ولحاظ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے:

1۔ مذاق میں دین کی ہنسی نہ اڑائی جائے: جو شخص مذاق میں دین کا ٹھٹا اڑاتا ہے خواہ وہ صرف لوگوں کو ہنسانے ہی کے لیے کیوں نہ ہو، ایسا مذاق دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا باعث بن سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اشاد ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۔لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۔ (التوبہ:66۔65) ''اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یوں ہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کہہ دیجیے کہ کیا اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمھارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ۔ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے ہو''۔

امام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''اللہ کی ذات، اس کی آیات اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑانا کفر ہے، جس کی وجہ سے آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے''۔ (فتاوی ابنِ تیمیہؒ: ۲۷۳/۷)

امام ابنِ قدامہؒ فرماتے ہیں: ''ایسا شخص مرتد ہے''۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص گناہ کا ارتکاب کرے اور اس پر نادم ہونے کی بجائے ہنسے تو قیامت کے دن روتے ہوئے جہنم میں داخل ہوگا۔ (الحلیۃ لأبی نعیم: 4/96)

2۔ لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹے واقعات اور من گھڑت قصوں سے احتراز کیا جائے: بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ لوگوں کو ہنسانے کے لیے من گھڑت قصے بیان کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹے واقعات بیان کرتے ہیں''۔ (ابوداؤد: باب فی التشدیدفی الکذب :4992) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''آدمی اپنے ساتھیوں کو ہنسانے کے لیے ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ جہنم کے ایسے گڑھے میں جا گرتا ہے جو زمین سے ثریا تک کی مسافت سے بھی زیادہ گہرا ہے''۔ (الجامع الصغیر وزیادتہ: 2498)

3۔ دوسروں کا مذاق اڑانا حرام ہے اور اس کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا مِّنۡهُنَّ۔ (الحجرات:11)''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں''۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ کسی کو حقیر سمجھ کر اس کا مذاق اڑانا حرام ہے۔ اور یہ منافقین کی صفت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر:5/376)

حضرت ابن عباسؓ سورۂ کہف کی آیت: يٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّآ اَحۡصَاهَا۔ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''صغیرہ گناہ یہ ہے کہ کسی مومن کا مذاق اڑایا جائے اور کبیرہ گناہ یہ ہے کہ اس پر قہقہہ لگایا جائے''۔ (تیسیر الرحمٰن: 1452)

نبی کریم ﷺ نے کسی بھی مسلمان کا مذاق اڑانے سے روکا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلۡمُسۡلِمُ أَخُو الۡمُسۡلِمِ لَا يَظۡلِمُهُ وَلَا يَخۡذُلُهُ وَلَا يَحۡقِرُهُ، اَلتَّقۡوٰى هَاهُنَا وَيُشِيۡرُ اِلٰى صَدۡرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، بِحَسۡبِ امۡرِیءٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنۡ يَّحۡقِرَ أَخَاهُ الۡمُسۡلِمَ۔ كُلُّ الۡمُسۡلِمِ عَلَى الۡمُسۡلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرۡضُهُ۔ (مسلم:باب تحریم ظلم المسلم و خذله:6706)''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کوئی کسی مسلمان بھائی پر نہ ہی ظلم کرے، نہ ہی اسے ذلیل کرے اور نہ ہی اس کو حقیر جانے۔ آپؐ نے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین مرتبہ فرمایا: تقوی یہاں ہے۔ آدمی جتنا برا ہوگا اسی کے مطابق وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے گا۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان و مال اور اس کی عزت و آبرو کا احترام واجب ہے۔''

4۔ ہنسی مذاق میں بھی کسی مسلمان کو پریشان کرنا اور ڈرانا دھمکانا درست نہیں ہے۔ حضرت ابن ابی لیلیٰؒ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ان میں سے ایک صحابی سو گئے تو کسی نے اپنی رسی سے ان کو پریشان کرنا شروع کیا۔ وہ گھبرا کر بیدار ہوے۔ آپ ﷺ نے یہ

دیکھ کرفرمایا:لَایَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یُّرَوِّعَ مُسْلِمًا۔ (ابوداؤد:باب من یأخذ الشئ علی المزاح:5006)''کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو پریشان کرے''۔

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے: کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کا سامان سنجیدگی کے ساتھ یا بطور مذاق اٹھالے''۔(ابوداؤد:باب من یأخذ الشئ علی المزاح:5005)

5۔ہنسی مذاق کو مشغلہ نہ بنا لیا جائے: سنجیدگی اور متانت مومن کا ایک اہم وصف ہے۔مذاق نفس کو راحت پہنچانے کا ایک وقفہ ہے تاکہ انسان واجبات کی ادائی کے لیے ہمیشہ چاق و چوبند رہے۔بعض لوگ مذاق اور سنجیدگی کے مواقع میں فرق نہیں کرتے۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں: یہ بات غلط ہے کہ آدمی ہنسی مذاق کو اپنا مشغلہ اور پیشہ بنالے۔(احیاءعلوم الدین للغزالی:1293)

6۔ہنسی مذاق میں لوگوں کے مقام اور مرتبے کا لحاظ رکھا جائے: اہلِ علم اور عمر رسیدہ لوگوں کا اسلام میں بڑا مقام ہے۔ان کے ساتھ مذاق بے ادبی ہے۔اسی لیے ان کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا درست نہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ اِکْرَامُ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ۔ (ابوداؤد:باب فی تنزیل الناس منازلھم:4845)''عمر رسیدہ مسلمان کا احترام اللہ تعالی کی تعظیم میں سے ہے''۔

حضرت ابنِ عباسؓ کا قول ہے: مِنَ السُّنَّۃِ أَنْ یُّوَقِّرَ الْعَالِمَ۔''عالم کی عزت و توقیر کرنا ایک مسنون عمل ہے''۔

اسی طرح کسی اجنبی شخص سے جو مذاق کرنے والے کی طبیعت سے ناواقف ہو،ہنسی مذاق کرنا درست نہیں ہے۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن ارطاۃؒ کو لکھا تھا: اِتَّقُوا الْمُزَاحَ فَاِنَّہُ یُذْھِبُ الْمُرُوْءَۃَ ۔''ہنسی مذاق سے بچو کیوں کہ یہ چیز وقار کو ختم کردیتی ہے''۔(موسوعۃ الخطب والدروس)

7۔نادانوں کے ساتھ ہنسی مذاق نہ کیا جائے: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''ہنسی مذاق میں اعتدال برقرار رکھو۔زیادہ ہنسی مذاق شخصی وقار کو مجروح کردیتا ہے، نیز بے وقوف اور کم عقل لوگوں کو تمھارے خلاف بے باک بنادیتا ہے''۔

8۔ہنسی مذاق میں کسی کی غیبت اور چغل خوری نہ ہو: جوشخص زیادہ ہنسی مذاق کرتا ہے،اس کا غیبت اور چغل خوری میں مبتلا ہونا بہت آسان ہے۔مشہور مقولہ ہے:مَنْ کَثُرَ کَلَامُهُ کَثُرَ سَقَطُهُ ۔"جوزیادہ بولے گا اس سے زیادہ لغزشیں سرزد ہوں گی"۔اوراس کومحسوس بھی نہیں ہوگا کہ وہ گناہ کا مرتکب ہورہا ہے کیوں کہ وہ سمجھے گا کہ میں یہ بات فلاں کے بارے میں بطور مذاق کہہ رہا ہوں جو مقصود نہیں ہے۔غیبت کی وضاحت جو رسول اکرم ﷺ نے کی ہے اس سے وہ بے خبر ہے۔آپؐ نے غیبت کے بارے میں فرمایا:ذِکْرُكَ أَخَاكَ بِمَایَکْرَهُ ۔(مسلم:باب تحریم الغیبة **6758**)"اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اسے ناپسند ہو"۔ آپ ﷺفرماتے ہیں : اِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَاِنَّ الْأَعْضَاءَ کُلَّهَا تُکَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اِتَّقِ اللّٰهَ فِیْنَا فَاِنَّمَا نَحْنُ بِكَ فَاِنْ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَاِنْ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا ۔ (ترمذی:باب حفظ اللسان **2587**)"جب انسان صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر۔ ہماری صلاح وفساد کا دارومدار تجھ پر ہے۔اگر تو درست رہی تو ہم سب درست رہیں گے اور اگر تیرے اندر ٹیڑھا پن آگیا تو ہم سب ہلاک ہوجائیں گے"۔

اللہ تعالیٰ ہنسی مذاق کے معاملے میں بھی اسلامی آداب کا ہمیں پابند بنائے ۔آمین

☆☆☆

حفاظتِ جان اور اسلام

اسلام دین انسانیت ہے۔انسان کی جان، مال،نسل،عقل اور دین ومذہب کی حفاظت اس کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔(الاعتصام:2/ 108)اسلام کےنزدیک ان چیزوں کی بڑی قدر وقیمت ہے۔ مذہب اسلام نےخصوصًا انسانی جان کو بہت ہی اہم اورمحترم قرار دیا ہے۔مومن کی جان ومال کاعوض جنت قرار دے کراس کی اہمیت کومزید بڑھادیا۔جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰـهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ ۔ (التوبۃ:111)''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سےان کےنفس اوران کے مال جنت کے بدلےخرید لیے ہیں''۔

گویا مومن کی جان اور مال اس کے پاس اللہ کی امانت ہے،جن کے استعمال میں احکام الٰہی کی پابندی ضروری ہے۔

اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنا بڑے اجر وثواب کا باعث ہے۔اسی کوشہادت بھی کہاجاتا ہے،جس کی قرآن اورحدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔عام طور پرلوگ اسلام اورمسلمانوں کے فائدے اورنقصان کونظرانداز کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جان لٹادینا شہادت ہے،خواہ جان کسی بھی طریقے سے گنوائی جائے،حالانکہ اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے کی جہاں فضیلت آئی ہے وہیں دین کی اشاعت اوراس کی سربلندی کے لیےاپنی جان بچانے اوراس کی حفاظت کرنے پر بھی زوردیا گیاہے۔سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ .(195)''اور اپنے آپ کوہلاکت میں نہ ڈالو''۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں خودکشی حرام ہے۔حضرت ثابت بن ضحاکؓ سے مروی ہے،رسول اللہ ﷺفرماتے ہیں: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَیْءٍ فِی الدُّنْیَا عُذِّبَ بِهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (مسلم:باب غلظ تحـریـم قتـل الانسـان نفسـه:315)''جوشخص جس چیز سے دنیامیں اپنے آپ کوہلاک کرلے،

قیامت کے دن اسی کے ذریعے اس کو ایذا پہنچائی جائے گی''۔

ایک اور روایت میں آپؐ کا یہ ارشاد مروی ہے: ''جو شخص پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو مار ڈالتا ہے وہ مرنے کے بعد جہنم کی آگ میں گرتا چلا جائے گا، جس میں اسے ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اور جو شخص زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے، اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں وہ اس کو ہمیشہ پیتا رہے گا اور جو اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے ہلاک کرلے تو اس کا وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی دہکتی آگ میں اس سے اپنے پیٹ میں بھونکتا رہے گا''۔ (بخاری: باب شرب السم والدواء به..:5778)

بعض لوگ بیماریوں یا دیگر جسمانی اذیتوں سے تنگ آکر خودکشی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ بسا اوقات رشتہ دار بھی ایسے لوگوں کو زہریلی دواؤں کے ذریعے ہلاک کردیتے ہیں، مگر اسلام ایسی حالت میں بھی انسانی جان کا احترام کرتا ہے اور اس کو ہر ممکن طریقے سے بچانے کا حکم دیتا ہے اور غلط طریقہ اپنانے والوں کو جہنم کی وعید سناتا ہے۔ حضرت جندبؓ سے روایت ہے، رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: كَانَ بِرَجُلٍ جَرَاحٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ اللّٰهُ بَدَرَنِیْ عَبْدِیْ بِنَفْسِهٖ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (بخاری: باب ماجاء فی قاتل النفس :1364) ''ایک آدمی نے زخم کی تکلیف سے تنگ آکر خودکشی کرلی۔ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتا ہے کہ میرے بندے نے جلد بازی سے کام لیا۔ میں نے اس پر جنت حرام کردی ہے''۔

جہاد جیسے اہم فریضے میں بھی جان کی حفاظت کرنے اور احتیاط برتنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِيْعًا۔ (النساء:71) ''مسلمانو! اپنی حفاظت کا سامان کرلو، پھر گروہ در گروہ کوچ کرو، یا سب ایک ساتھ اکٹھے ہو کر نکل کھڑے ہو''۔

نماز ایک ایسا فریضہ ہے جو حالتِ جنگ میں بھی معاف نہیں مگر اس حالت میں بھی جان کی حفاظت کا سامان رکھنے اور احتیاطی تدابیر استعمال کرنے کا حکم دیا گیا، جیسا کہ سورۂ نساء میں فرمایا گیا:

وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۔(102) ''جب آپ خود ان میں ہوں اور ان کے لیے نماز قائم کریں تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت آپ کے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑی ہو، پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر آپ کے پیچھے چلے آئیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی، وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ کرے اور اپنے ہتھیار لیے رہے''۔

ابتدائے اسلام میں جو بھی مشرف بہ اسلام ہوتے آپ انھیں جان کی حفاظت کے لیے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھنے کا مشورہ دیتے۔ جب اہل ایمان کے لیے مکہ کی سرزمین تنگ ہوگئی تو جان اور ایمان کی حفاظت کے لیے ہجرت کا حکم دیا گیا۔ صحابہ کرامؓ کفار و مشرکین کی نظروں سے بچتے ہوے حبشہ کی طرف پھر مدینے کی طرف ہجرت کر گئے۔ اور جب اہل مکہ آپؐ کے قتل کا ناپاک منصوبہ بنانے لگے، اور مکہ میں آپ کی جان کو خطرہ لاحق ہوا تو آپ کو بھی ہجرت کا حکم دیا گیا۔ آپؐ کی یہ ہجرت بہت ہی محتاط انداز میں ہوی۔ اس موقع پر آپؐ نے جان کی حفاظت کا ہر ممکن طریقہ استعمال کیا۔ آپ اس واقعے کی اطلاع اپنے رفیق سفر حضرت ابوبکرؓ کو دینے کے لیے ان کے گھر دوپہر کے وقت تشریف لے گئے، جو عموماً آرام کا وقت ہوتا ہے۔ پھر آپؐ نے بڑی رازداری کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو ہجرت کے الٰہی فرمان سے مطلع کیا اور ایسے وقت میں مکے سے روانہ ہوے جب کہ چاروں طرف اندھیرا پھیل چکا تھا، دشمن اگر چہ آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوے تھے مگر آپؐ اللہ کی حفاظت اور نگرانی میں صحیح سلامت دشمن کے نرغے سے نکل گئے۔ یہاں سے نکل کر تین دن تک غار ثور میں چھپے رہے۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ دشمن آپؐ کی تلاش سے مایوس ہو چکے ہیں تو غار ثور سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوے۔ آپؐ نے یہ ساری تدبیریں جان کی حفاظت کے لیے اختیار فرمائیں۔

اسلام نے مومن کو جہاں اپنی جان کی حفاظت کا حکم دیا وہیں دوسروں کی جان کا احترام کرنے کی بھی تعلیم دی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب بچیوں کی پیدائش کو اپنے لیے عار سمجھتے اور

انھیں زندہ درگور کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔فقر وفاقہ کے ڈر سے وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنی اولاد کوقتل کر دیا کرتے تھے۔ان کے نزدیک انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔معمولی معمولی باتوں پر بےقصور انسانوں کا بے دریغ خون بہایا کرتے تھے۔اسلام نے ناحق قتل کی ہر صورت کوحرام قرار دیا۔بچوں کوقتل کرنے سے روکتے ہوے فرمایا : وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا.(بنی اسرائیل:31)''اپنی اولاد کوافلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی۔درحقیقت ان کا قتل کبیرہ گناہ ہے''۔

نبی کریم ﷺ نے شرک کے بعد جس کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا وہ یہی ہے کہ''تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کردو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گی''۔(مسلم:باب کون الشرك أقبح الذنوب...:267)

ابتداے اسلام میں جن چیزوں کی حرمت کا اعلان کیا گیا ان میں قتل ناحق بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے : قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَاوَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُواالنَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ. (الانعام:151)''آپ کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن (کی مخالفت) کو تمھارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے۔وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کرو۔ہم تم کو اور ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ،خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ اور جس کا خون کرنا اللہ تعالی نے حرام کردیا ہے اس کوقتل مت کرو، ہاں مگر حق کے ساتھ،ان کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو''۔

قبول اسلام کے بعد آپ نو واردانِ اسلام سے جن چیزوں کی بیعت لیتے ان میں سے ایک قتلِ ناحق سے اجتناب بھی ہے۔حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں : كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

فِیْ مَـجْـلِسٍ فَقَالَ تُبَایِعُوْنِیْ عَلیٰ أَنْ لَّا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا تَزْنُوْا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ (مسلم:بـاب الحدود کفارات لأهلها:4558)''اللہ کے ساتھ کسی چیز کوشریک نہیں ٹھہراؤ گے، زنا اور بدکاری نہیں کروگے، چوری نہیں کروگے، ناحق کسی کوقتل نہیں کروگے''۔

رسول اللہ ﷺ نے ناحق قتل کو سات کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے، آپؐ فرماتے ہیں: ''سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔صحابہؓ نے دریافت کیا:اے اللہ کے رسول ﷺ!وہ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، ناحق کسی کوقتل کرنا،سود کھانا، باطل طریقے سے یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا''۔(بخاری:باب رمی المحصنات:6857)

انسانی جان کی حرمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے کسی ایک جان کے ناحق قتل کوساری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ چناں چہ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًام بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ۔ (32)''جس نے کسی انسان کوخون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا،اس نے گویا تمام انسانوں کوقتل کیا''۔

قیامت کے دن حقوق العباد میں سب سے پہلے جس چیز کا فیصلہ ہوگا وہ یہی قتل ناحق ہے۔ رسول اکرم ﷺ کاارشاد ہے: أَوَّلُ مَا یُقْضیٰ بَیْنَ النَّاسِ بِالدِّمَاءِ.(بخاری:با ب القصاص یوم الـقیـامة:6533)''لوگوں کے درمیان جس چیز کاسب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ (ان کا ناحق بہایا گیا) خون ہوگا''۔

حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفہ میں آپؐ نے جو تاریخی خطبہ دیا، اس میں بھی مومن کی جان ومال اورعزت کومحترم قرار دیا۔آپؐ نے فرمایا: فَـاِنَّ دِمَاءَ کُمْ وَأَمْوَالَکُمْ وَأَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَـرَامٌ کَـحُـرْمَةِ یَـوْمِـکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهَرِکُمْ هٰذَا .(بخاری:بـاب الخطبة أیام

منی :1739) ''تمھارا خون، تمھارا مال اور تمھاری عزت، تمھارے نزدیک اسی طرح محترم ہے جس طرح تمھارا (عرفات کا) یہ دن، (ذی الحجہ کا) یہ مہینہ اور (مکہ کا) یہ شہر مقدس اور محترم ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے ننگی تلوار لے کر چلنے سے بھی منع فرمایا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو غلطی سے خراش آ جائے، یا کوئی کم زور دل ننگی تلوار دیکھ کر خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اسی لیے آپ نے تلوار ہمیشہ نیام میں رکھنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ؐ کا ارشاد ہے: اِذَا مَرَّ أَحَدُكُمْ فِيْ مَسْجِدِ نَا أَوْفِيْ سُوْقِنَا وَمَعَهُ نَبْلٌ فَلْيُمْسِكْ أَوْ يَقْبِضْ عَلٰى نِصَالِهَا بِكَفِّهِ أَنْ يُصِيْبَ أَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْهَا بِشَيْءٍ . (مسلم:باب أمر من مر بسلاح في مسجد. :6831) ''جب تم میں سے کوئی ہماری مسجدوں میں سے کسی مسجد سے یا بازاروں میں سے کسی بازار سے گزرے اور اس کے پاس تیر ہو تو اسے اچھی طرح روک کر رکھے، یا اس کا اگلا (دھار والا) حصہ مضبوط پکڑ لے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو اس سے کوئی تکلیف پہنچ جائے''۔

اپنے بھائی کی طرف تلوار سے اشارہ کرنے کو فرشتوں کی لعنت کا موجب قرار دیا گیا، جیسا کہ آپ ؐ کا ارشاد ہے: مَنْ أَشَارَ اِلٰى أَخِيْهِ بِحَدِيْدَةٍ فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ حَتّٰى يَضَعَهَا وَاِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيْهِ وَأُمِّهِ . (مسلم:باب النهى عن الإشارة بالسلاح الى مسلم: 6832) ''جو شخص اپنے بھائی کی طرف کسی ہتھیار سے اشارہ کرے تو فرشتے اس پر اس وقت تک لعنت کرتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے ہتھیار کو ہٹا نہ لے، خواہ وہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو''۔

اسلام نے قتل کے جذبے اور عزم و ارادے کو بھی باعثِ جرم قرار دیا ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہے، آپ ؐ نے فرمایا: ''جب دو مسلمان تلوار لے کر باہم مقابلے کے لیے نکلیں اور ان میں سے کوئی ایک مارا جائے تو قاتل اور مقتول دونوں ہی جہنم میں جائیں گے۔ پوچھا گیا کہ قاتل تو اپنے جرم کی سزا میں جہنم میں جائے گا، لیکن مقتول کیوں؟ آپ ؐ نے جواب دیا: اس لیے کہ وہ بھی اپنے بھائی کو قتل کرنے کا خواہش مند تھا''۔ (بخاری: باب وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا :31)

اسلام کا نظام قصاص : ترغیب اور ترہیب کے ان مختلف طریقوں کے علاوہ انسانی جان کی حفاظت اور قتل وخوں ریزی کی روک تھام کے لیے اسلام نے کچھ عملی ہدایات بھی دی ہیں۔قتل، ایک سنگین جرم ہے، انصاف کا تقاضا ہے کہ اس کے مرتکب کو بدلے میں قتل کیا جائے ۔قرآن نے اسی منصفانہ فیصلہ کا اعلان کیا : يَـاَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى . (البقرۃ: 178)''اے ایمان والو!تمھارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے''۔

اسلام کا نظام قصاص، قتل وخوں ریزی کے سد باب کا اہم ذریعہ ہے۔اگر قصاص کا یہ نظام نہ ہوتو مقتول کے متعلقین کے اندر انتقام کا جذبہ پیدا ہونا ایک فطری بات ہے، جو شدید خوں ریزی کا باعث بنتا ہے۔زمانۂ جاہلیت میں طاقتور قومیں ایک فرد کے بدلے قاتل کے سارے رشتے داروں کو قتل کر دیا کرتی تھیں۔بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ایک شخص کے خون کا بدلہ پورے قبیلے، پوری بستی اور پورے شہر کو چکانا پڑتا۔۔۔

''موجودہ زمانے میں جن قوموں کو انتہائی مہذب سمجھا جاتا ہے ان کے باقاعدہ سرکاری اعلانات تک میں بسا اوقات یہ بات بغیر کسی شرم کے دنیا کو سنائی جاتی ہے کہ ہمارا ایک آدمی مارا جائے گا تو ہم قاتل کی قوم کے پچاس آدمیوں کی جان لیں گے۔ایک مہذب قوم نے اسی بیسویں صدی میں اپنے ایک فرد (سری اسٹیک) کے قتل کا بدلہ پوری مصری قوم سے لے کر چھوڑا۔یہی خرابیاں ہیں جن کے سد باب کا حکم اللہ تعالی نے اس آیت میں دیا ہے، وہ فرماتا ہے کہ مقتول کے بدلے میں قاتل اور صرف قاتل ہی کی جان لی جائے ،قطع نظر اس سے کہ قاتل کون ہے اور مقتول کون؟''۔(تفہیم القرآن:1/138)

کچھ حقیقت نا آشنا اسلام کے اس منصفانہ نظام کو ظالمانہ نظام قرار دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ کسی جان کے بدلے میں دوسری جان کو قتل کرنا ایک اور جان کو ہلاک کرنا ہے۔انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ قصاص میں اگرچہ جان کی ہلاکت ہے مگر نتیجے کے اعتبار سے ساری انسانیت کی حفاظت ہے، اسی لیے فرمایا گیا: وَلَـكُـمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّـاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ .(البقرۃ:179)''عقل مندو!

قصاص میں تمھارے لیے زندگی ہے، امید کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کروگے‘‘۔

’’اسلام کسی کے خون کو رائیگاں جانے نہیں دیتا۔ اسلام حکومت کو لازم قرار دیتا ہے کہ وہ مجرم کا پتا لگائے، لیکن کسی صورت مجرم تک رسائی نہ ہو تو اس بستی یا محلے والوں سے قسم کھانے کے لیے کہا جائے گا جہاں کہ مقتول کی لاش پائی گئی۔ (شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام قسامہ ہے)۔ چناں چہ اس محلے کے پچاس عادل مرد حلف لیتے ہوئے قسم کھائیں گے کہ انھوں نے نہ اسے قتل کیا ہے اور نہ انھیں قاتل کے بارے میں کوئی علم ہے۔ قسم کا مرحلہ ختم ہونے پر اس بستی یا محلے والوں کو مقتول کی دیت ادا کرنی ہوگی۔ بصورتِ دیگر یہ دیت حکومت ادا کرے گی۔ اس لیے کہ جان کی حفاظت اس کی ذمہ داری تھی۔ کسی کے قتل کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی حفاظت سے قاصر رہی۔ پھر وہ قاتل کا پتا لگانے میں بھی ناکام رہی، اس لیے اسے خون کی دیت کا بوجھ اٹھانا پڑے گا‘‘۔
(انسانی معاشرہ اسلام کے سائے میں: ص:105)

اپریل فول، اسلامی نقطۂ نظر سے

اسلامی تعلیمات سے دوری اور مغرب سے مرعوبیت کے نتیجہ میں مسلمانوں میں ایک بگاڑ یہ پیدا ہوا کہ وہ مغرب سے آنے والی ہر چیز کو قبول کرتے چلے گئے۔ اچھا وہی جس کو مغرب اچھا کہے، برا وہی جس کو مغرب بُرا قرار دے۔ مغرب کی جو چیزیں مسلمانوں میں عام ہوں، ان میں روزمرہ زندگی سے متعلق ان کی رسومات ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں ،مثلا برتھ ڈے، وغیرہ۔ بعض وہ ہیں جو اسلامی عقائد سے ٹکراتی ہیں اور بعض اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رچی گئی سازش کا حصہ ہیں۔ ان ہی میں سے ایک ''اپریل فول'' کی رسم ہے۔

اپریل فول کی رسم اپریل کی پہلی تاریخ کو بڑی دھوم سے منائی جاتی ہے۔ FOOL یہ انگریزی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنیٰ ''بے وقوف'' کے ہیں۔ ''اپریل فول'' کا مطلب ہوا ''اپریل کا بے وقوف''۔ انسائیکلو پیڈیا انٹرنیشل کے مطابق مغربی ممالک میں یکم اپریل کو عملی مذاق کا دن قرار دیا گیا ہے۔ اس دن ہر کسی کو نازیبا حرکات کرنے کی قانونی چھوٹ ہوتی ہے اور لوگ جھوٹ کا سہارا لے کر لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ (عالمی سہارا: ص: 57، 30/ مارچ 2013ء)

اس کی ابتدا کب اور کیسے ہوی؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟ اس سلسلے میں مختلف روایات ہیں، جن میں چند معتبر روایات یہ ہیں۔ اسپین پر مسلمانوں نے صدیوں تک حکومت کی ہے۔ آج سے تقریباً پانچ سو سال قبل عیسائی اس پر قابض ہوے۔ اس وقت انھوں نے وہاں موجود مسلمانوں کا قتل عام کیا، اور لاکھوں کو تہ تیغ کیا۔ جو مسلمان بچ گئے تھے، انھوں نے اپنی جان کے خوف سے گلوں میں مجبوراً صلیبیں ڈال لیں اور عیسائی نام رکھ لیے۔ اب بظاہر اسپین میں کوئی مسلمان نظر نہیں آ رہا تھا مگر عیسائیوں کو یقین تھا کہ اس ملک میں ابھی مسلمان باقی ہیں۔ ان کا پتا لگانے کے لیے انھوں نے منصوبہ بند کوشش کی۔ ملک میں یہ اعلان کیا کہ یکم اپریل کو مسلمان غرناطہ میں جمع ہو جائیں، تا کہ انھیں اُن

ممالک کو بھیج دیا جائے جہاں وہ جانا چاہتے ہیں۔اس بات کا مسلمانوں کو ہر طرح سے یقین دلایا گیا۔جب مسلمانوں کو یقین ہوگیا تو وہ غرناطہ میں جمع ہوگئے۔تمام کو بحری جہازوں میں سوار کرایا گیا۔جہاز وہاں سے چل دیے۔جہاز جب عین سمندر کے درمیان میں پہنچے تو منصوبے کے تحت انھیں گہرے پانی میں ڈبو دیا گیا۔اس دھوکہ دہی کے بعد اسپین بھر میں جشن منایا گیا کہ ہم نے اپنے دشمنوں کو بے وقوف بنایا۔بعد میں یہ دن پورے یورپ میں فتح کا عظیم دن بن گیا۔اسے انگریزی زبان میں **FIRST APRIL FOOL** کا نام دیا گیا۔آج بھی عیسائی ممالک میں اس دن کی یاد بڑے اہتمام سے منائی جاتی ہے اور لوگوں کو سب سے بڑا جھوٹ بولنے پر نقد انعام اور ایوارڈ سے بھی نوازا جاتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے حوالے سے ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ **21**/مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آنی شروع ہوجاتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کو بعض شر پسند عناصر نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کرکے ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے۔لہٰذا لوگوں نے بھی ایک دن مقرر کرکے قدرت کی پیدا کردہ مخلوق کو بے وقوف بنانا شروع کردیا۔(عالمی سہارا:ص:**58**،**57**،**30**/مارچ**2013**ء)

روایات چاہے کچھ بھی ہوں، حاصل تو یہی ہے کہ ''اپریل فول'' کی بنیاد یا تو مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی پر ہے یا قدرت کے نام نہاد ''مذاق'' کا جواب ہے۔کسی بھی حال میں اپریل فول کی رسم کو قابلِ تعریف اور لائق عمل نہیں کہا جاسکتا ہے،مگر دورِ حاضر کے مسلمانوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ مغرب اور مغربی تہذیب سے اس قدر متاثر ہیں کہ وہاں سے آنے والی ہر چیز کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے نہ صرف قابلِ تقلید سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کی پیروی کو ترقی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔اس کی مخالفت کو دقیانوسیت اور قدامت پرستی کا نام دیا جاتا ہے۔

اپریل فول اسلامی نقطۂ نظر سے : ''اپریل فول'' ایک غیر مہذب اور غیر اخلاقی رسم ہے۔اس میں بہت سے مفاسد اور معاشرتی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔اسلام کسی بھی صورت میں اپنے

متبعین کواس طرح کی رسم کوانجام دینے کی اجازت نہیں دیتا۔اسلامی نقطۂ نظر سے اس میں درج ذیل قباحتیں پائی جاتی ہیں:

1۔غیروں کی مشابہت:''اپریل فول'' یہ ایک عیسائی رسم ہے۔اسلام،مسلمانوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی دوسری قوم یامذہب کی تہذیب کواپنائیں،کیوں کہ اسلام ایک مکمل دین ہے،زندگی کے ہرگوشہ میں اس نے اپنے متبعین کی مکمل رہ نمائی کی ہے۔اپنے آخری ایام میں آپ ﷺ نے دین کے مکمل ہونے کااعلان کرتے ہوے فرمایا:تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَايَزِيْغُ عَنْهَا اِلَّا هَالِكٌ ۔(ابن ماجۃ:بـاب اتباع سنة الخلفاء الراشدين **45:**)''میں تمھیں ایسی روشن شاہ راہ پر چھوڑ کر جارہاہوں،جس کی راتیں بھی دن کی طرح تاب ناک ہیں۔اس روشن شاہ راہ سے وہی بھٹک سکتا ہے جس پر ہلاکت مقدر ہوچکی ہو''۔

حضرت ابوذرغفاریؓ فرماتے ہیں:تَرَكْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَاطَائِرٌ يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّا عِنْدَنَا مِنْهُ عِلْمٌ ۔(صحیح ابن حبان:باب الزجرعن كتبة المرء السنن مخافة أن يتكل عليهادون الحفظ لها)''نبی کریم ﷺ ہم سے اس حالت میں رخصت ہوے کہ آسمان پر اگر کوئی پرندہ اڑ رہاہواوراس کے اڑنے میں امت کے لیے کوئی سبق ہوتو آپ ﷺ نے اس سے بھی اپنی امت کوآگاہ کیا''۔

اس دین کی اتباع کے ساتھ ساتھ دوسرے ادیان ومذاہب کی مخالفت کاحکم دیا گیا:چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا:خَالِفُواالْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ ۔(التعلیقات الحسان علی صحیح ابن حبان:بـاب فـرض متـابعة الإمـام)''یہوداورنصاریٰ کی مخالفت کرو''۔طلوعِ آفتاب اورغروبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے روک دیا گیا،اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ یہودیوں کی عبادت کاوقت ہے۔

جوکوئی کسی قوم کی مشابہت اختیارکرتاہے اوراس کے طورطریقے اپناتاہے،اس کو یہ دھمکی آمیزوعیدسنائی گئی کہ اس کاشماربھی اس قوم میں ہوگا:مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَمِنْهُمْ ۔(ابوداوٗد : باب

فی لبس الشھرۃ:4033)

(2) جھوٹ :اس رسم میں دوسری خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ بسا اوقات اتنا سنگین جھوٹ بولا جاتا ہے کہ آدمی کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جھوٹ کوئی معمولی گناہ نہیں بلکہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے اور منافقوں کی صفات میں سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ۔(مسلم:باب بیان خصال المنافق :220)''منافق کی تین علامتیں ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے''۔

منافق اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر کہا کرتے تھے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهُ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۔(المنافقون:1)''اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین بے شک پکّے جھوٹے ہیں''۔

بچوں کے ساتھ بھی جھوٹ بولنا جرم قرار دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ان کی والدہ نے ان سے کہا: تَعَالْ أُعْطِكَ ۔آؤ! میں تمھیں ایک چیز عطا کروں گی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اپنے بچے کو کیا دینا چاہ رہی ہو؟ انھوں نے کہا: میں اسے کھجور دینا چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أَمَّا أَنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كَذِبَةٌ ۔(ابوداؤد: کتاب الأدب:باب التشدید فی الکذب:4993)''اگر تم اسے کوئی چیز نہ دیتی تو تم پر ایک جھوٹ لکھا جاتا''۔

جھوٹ کے برے اثرات انسان کی دنیوی واخروی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ ایسا گناہ ہے، جس سے آدمی اللہ کی ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ سورۂ مومن میں ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۔(المومن:28)''بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والے بڑے جھوٹے کو راہِ حق نہیں دکھاتا''۔

اس کی وجہ سے انسان برکت وسعادت سے محروم ہوجاتا ہے۔خرید وفروخت میں عام طور پرجھوٹ سے کام لیاجاتا ہے،اس لیے آپ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ خرید وفروخت کرنے والوں کوخطاب کر کے فرمایا:اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا،فَاِنْ صَدَقَا وَبَیَّنَا بُوْرِكَ لَھُمَا وَاِنْ کَذَبَا وَکَتَمَا مُحِقَتْ بَرَکَۃُ بَیْعِھِمَا۔(مسلم:باب الصدق فی البیع و البیان :3937)''خرید وفروخت کرنے والوں کواختیار ہے جب تک وہ جدانہ ہوں۔اگر وہ تجارت میں سچائی سے کام لیں اورصاف صاف بیان کریں تو ان کی تجارت میں برکت ڈال دی جاتی ہے،اوراگر وہ جھوٹ بولیں اور چھپائیں توبرکت ختم کردی جاتی ہے''۔

جھوٹ ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے جوانسان کوجہنم میں پہنچادیتے ہیں۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:وَاِیَّاکُمْ وَالْکَذِبَ فَاِنَّ الْکَذِبَ یَھْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِوَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَھْدِیْ اِلَی النَّارِوَمَایَزَالُ الرَّجُلُ یَکْذِبُ وَیَتَحَرَّی الْکَذِبَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَاللّٰہِ کَذَّابًا۔(مسلم:باب قبح الکذب. :6805)''جھوٹ سے بچو،کیوں کہ یہ برائیوں کی طرف لے جاتا ہے،اور برائیاں جہنم کی طرف لے جاتی ہیں،آدمی جھوٹ بولتارہتاہےاور جھوٹ کے مواقع تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کےنزدیک وہ جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے''۔

(3)دھوکہ دہی:اپریل فول کی تیسری خرابی یہ ہے کہ اس کے ذریعے دوسروں کودھوکہ دیا جاتا ہے۔دھوکہ دہی بھی منافقانہ صفات میں سے ہے۔جیسا کہ فرمایا گیا: یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا - وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ۔(البقرۃ:9)''یہ لوگ اللہ کواور ایمان والوں کودھوکہ دینا چاہتے ہیں،(یہ لوگ)اپنے آپ کودھوکہ دے رہے ہیں''۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ بازار سے گزر رہے تھے۔آپ ﷺ کی نظر اناج کے ایک ڈھیر پر پڑی۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا،تو آپ ﷺ کوگیلا پن محسوس ہوا۔آپ ﷺ نے تاجر سے کہا:تم نے یہ کیا کیا؟اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا:بارش کی وجہ سے تر ہوگیا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا:أَفَلَا جَعَلْتَہُ فَوْقَ الطَّعَامِ کَیْ یَرَاہُ النَّاسُ ؟مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا ۔(مسلم:باب قول النبی ﷺ:من

غشنافلیس منا:295)''تم نے اسے اوپر کیوں نہیں رکھا تا کہ لوگوں کو بھی اس کا عیب معلوم ہو جاتا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمیں دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں''۔

(4) ایذا رسانی: اس رسم کی چوتھی بڑی خرابی یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کو تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے۔کبھی جسمانی تکلیف لاحق ہوتی ہے،کبھی مالی اور کبھی ذہنی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ایک مسلمان کا تعارف کراتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔(مسلم:باب بیان تفاضل الإسلام..:171)''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔کسی بھی مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچانا سنگین جرم ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۔(الأحزاب:58)''اور جو لوگ مومن مرد اور مومن عورتوں کو بغیر کسی قصور کے ایذا پہنچاتے ہیں، وہ بہتان دھرتے ہیں اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں''۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا:يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيْمَانُ اِلىٰ قَلْبِهِ لَاتُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَبَّعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْفِيْ جَوْفِ رَحْلِهِ ۔(ترمذی:باب تعظيم المؤمن :2164)''اے لوگوں کے وہ گروہ جو صرف زبان سے اسلام لائے ہیں اور ایمان ان کے دلوں میں نہیں پہنچا! مسلمان کو اذیت نہ دو، انھیں عار نہ دلاؤ اور ان میں عیوب مت تلاش کرو، کیوں کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرتا ہے، اللہ اس کی عیب گیری کرتا ہے اور جس کی عیب گیری اللہ کرنے لگے، وہ ذلیل و رسوا ہو جائے گا اگر چہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو''۔

کسی بھی طرح کی اذیت پہنچانے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:لَا تَتَنَاجىٰ اِثْنَانِ دُوْنَ وَاحِدٍ ،فَاِنَّ ذٰلِكَ يُؤْذِى الْمُؤْمِنَ وَاللّٰهَ يَكْرَهُ أَذَى الْمُؤْمِنِ ۔(ترمذی:باب ما جاء لا يتناجیٰ اثنان دون ثالث:3059)''تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی آپس

میں سرگوشی نہ کریں، کیوں کہ یہ بات اس مومن کے لیے تکلیف دہ ہے،اوراللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائی جائے''۔

صدقہ وخیرات نیکی کے کام ہیں ،مگران اعمالِ خیر میں بھی غریبوں کے جذبات کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا اور صدقہ کرتے ہوے ایسی ہرحرکت سے اجتناب کرنے کی تعلیم دی گئی جس سے غریبوں کے جذبات مجروح ہوتے ہوں اورانھیں تکلیف پہنچتی ہو۔صدقہ وخیرات کرکے کوئی کسی پراحسان نہیں کرتا بلکہ اس کے مال میں اللہ کے مقرر کردہ حق کو حق داروں تک پہنچاتا ہے۔جو شخص اس کو غریبوں پراحسان سمجھ کر احسان جتلاتا ہے،یاانھیں اذیت پہنچاتا ہے تو وہ صدقہ کرکے بھی اس کے ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۔(البقرۃ:264)''اے ایمان والو!اپنے صدقات کواحسان جتلاکراوراذیت پہنچاکر ضائع نہ کرو''۔

خطبۂ جمعہ کاسننا ایک اہم عبادت ہے۔اس کے لیے ہرمومن کو چاہیے کہ وہ جلد سے جلد میں مسجد میں حاضر ہو،خطیب کے قریب بیٹھے اورغور سے خطبہ سنے۔بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جمعہ کے دن تاخیر سے مسجد پہنچتے ہیں اورلوگوں کی گردنیں پھلاندتے ہوے خطیب کے قریب بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کی اس حرکت سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ایک مرتبہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ایک شخص تاخیر سے مسجد میں داخل ہوااورلوگوں کی گردنیں پھلاندتا ہوا آگے آنے لگا۔آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:اِجْلِسْ ،فَقَدْ آذَيْتَ ۔''وہیں بیٹھ جاؤ،تم نے لوگوں کو تکلیف پہنچائی''۔(ابن ماجہ: باب ماجاء فی النهی عن تخطی الناس یوم الجمعة :1169)

غیرشعوری طور پرتکلیف پہنچانے پرآپ ﷺ نے اس قدرسختی کے ساتھ انھیں ڈانٹا،تو سوچیے کہ''اپریل فول''میں تو ایک سوچی سمجھی تدبیر کے تحت ساتھیوں کو پریشان کیا جاتا اورانھیں تکلیف دی جاتی ہے۔یقیناًیہ اللہ کی نظر میں بہت سنگین جرم ہے۔ہرمسلمان کو ہراس حرکت سے بازآنا چاہیے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔

(5) تمسخرواستہزا: اس رسم کی پانچویں خرابی یہ ہے کہ اس کے ذریعے دوسروں کا مذاق اڑانا مقصود ہوتا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ معاشرے میں رہنے والے افراد ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہیں، آپس میں ایک دوسرے کا احترام کریں اور ایسی ہر حرکت سے اجتناب کریں جو آپسی احترام کو مجروح کرنے والی ہو۔ کسی بھی معاشرے کے افراد کی باہمی اخوت کو تباہ کرنے والی چیزوں میں سے ایک تمسخر واستہزا بھی ہے۔ سورۂ حجرات میں جن معاشرتی خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اہلِ ایمان کو خطاب کر کے فرمایا گیا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ۔(الحجرات:11)''اے ایمان والو! ایک جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے، وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ممکن ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے، مذاق اڑانے والیوں سے بہتر ہوں''۔

تمسخر اور استہزا کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مذاق اڑانے والا اپنے کو برتر اور جس کا وہ مذاق اڑارہا ہے، اسے کم تر اور حقیر سمجھتا ہے۔ قرآن مجید نے بڑے ہی بلیغ انداز میں بیان فرمایا کہ ممکن ہے جسے تم کم تر اور حقیر سمجھ رہے ہو، وہ اللہ کی نظر میں تم سے بہتر ہو۔ اگر آدمی یہ سوچے کہ میرا بھائی مجھ سے بہتر ہے تو وہ کبھی اس کا مذاق نہیں اڑائے گا۔

ہنسی مذاق عام طور پر بے تکلف دوستوں سے ہی ہوتی ہے مگر ایسا مذاق جس سے تکلیف پہنچے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ حضرت ابن ابی لیلیٰؒ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرامؓ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ان میں سے ایک صحابی سو گئے تو کسی نے اپنی رسی سے ان کو پریشان کرنا شروع کیا۔ وہ گھبرا کر بیدار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا: لَایَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُّرَوِّعَ مُسْلِمًا۔ (ابوداؤد: باب من یأخذ الشئ علی المزاح :5006)''کسی مسلمان کے لیے درست نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو پریشان کرے''۔

یہ ہیں اس رسم کی خرابیاں ۔ آج یہ رسم مسلمانوں میں عام ہو چکی ہے، خصوصاً کالج اور

یونیورسٹی میں پڑھنے والی نئی نسل میں یہ رسم جڑ پکڑ چکی ہے۔اس سے بچنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں غیر اسلامی رسومات سے اجتناب کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین